سلسلہ: رسائلِ فتاوٰی رضویہ

جلد: اٹھائیسویں

رسالہ نمبر 1

رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے

پیشکش: مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

رسالہ
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ط

اذان من اللہ الحق المبین ان الحمد للہ رب العلمین و افضل الصلوات و اعلی التسلیمات علی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السموات والارضین و سیؤذن بحمدہ العظیم ووصفہ الفخیم علی رؤس الاولین و الاٰخرین یوم الدین وعلی الہ وصحبہ و ابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمین۔ امین!	حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لیے ہیں اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالٰی نے آسمانوں کی بُلندیوں اور زمینوں کی پستیوں مین فرمایا اور روز قیامت کی بھڑ میں اولین و آخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا کی اجازت اور اذن دے گا۔ اور آپ کی آل و اصحاب اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ساری امت پر آمین !

وبعد: فھذہ سطور ان عدت یسیر ۃ و بیز ۃ، و فیھا علوم ان شاء اللہ عزیز ۃ عزیزۃ فی بیان ما ھو السنۃ فی اذان الخطبۃ یوم الجمعۃ سمیتھا "شمائم العنبر فی ادب ابلند اء المنبر" و الغرض بیان ماظھر من حقائق زبر الحدیث الجلی و الفقہ الحنفی معر وضۃ علی سادا تنا علماء اھل السنۃ فی بلاد الا سلا م للا ستعانۃ بھم فی احیاء سنۃ نبینا الکریم علیہ و علی الہ افضل الصلوۃ و التسلیم۔ والعبد الذلیل عا ئذ بجلال وجہ ربہ الجلیل، و جمال محیا حبیبہ الجمیل، علیہ وعلی الہ الصلو ت بالتبجیل من کل عین لاتنظر بالانصاف وتقوم بالخلا ف علی قد م الا عتساف فضلا عمن یخلد فی ارض اتباع الرواج ؛، وتقدمہ علی سنۃ صاحب التاج والمعراج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وعلی الہ وصحبہ وشرف وکرم۔	حمد وصلوۃ کے بعد یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہل سنت عموما اور خصوصا علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالٰی انہیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت وحمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔ یہ بندہ عاجز اپنے جلیل وبزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرہ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ کہ وہ جو رسم ورواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

یقول العبد المستعین بربہ العظیم وھو نعم المعین ثم بحبیبہ الکریم وھو	بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف وامین

نعم الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الہ و صحبہ اجمعین حامدا و مسلما و مشھدا و مصلیا۔

قد علمتم یاسادتی و اخوتی رحمنااللہ تعالٰی و ایاکم وبالسلامۃ حیاناوحیاکم ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھاوان المعروف معروف وان صارمنکرا والمنکر منکر و ان صار معروفافلربمایحدث حدث و یشیع و ینکر علیہ بدء فیضیع امالامر الامارۃ او نفوس امارۃ۔

والعالم یقول الھوی متبع و القول لایسمع و قد قضیت ما علی فان سکت فلاعلی فیدع۔فلایدعو۔ فالمنکر یربو ویفشو۔وتنشؤ الصغار فتقتفی الکبار فیظن متوارثا وماکان الاحادثا۔وایۃ ذلک کونہ علی خلاف السنۃ المرویۃ ومناواۃ الخصلۃ المرضیۃ ومع ذلک اذافتشتہ فی الصدر الاول، و القرون الاول لم تر لہ اثرا۔وان سألت

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے ہوئے عرض پرداز ہے۔

اے ہمارے سردارو اور بھائیو! اللہ تعالٰی ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سب چیزوں سے برے وہ نوایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔

بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ردو قدح ضائع ہو جاتی ہے جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان نوایجاد امور کی اشاعت کے لیے حکومت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔ (۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ (۳) علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے ہیں اب خاموش میں رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد وہدایت

متی حدث،ومن احدث لم تجد بہ خبر افیجعل الناس لعدم العلم بمبدئہ علما بعدمہ و علما علی قدمہ،وما الیہ سبیل،مع خلاف الدلیل،وانما تحکیم الحال عند الاحتمال و الافالحادث لاقرب اوقاتہ ولغفلۃ الناس عن ھذاالبنایۃ تفوہ الالسنۃ انہ السنۃ،وتصیر النفوس الیہ مطمئنۃ و عند ذلک یکون المعروف منکر او المنکر معروفا[1]۔کمافی حدیث عـــہ۱ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب[2] کماقد صح عـــہ۲	چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے چھوٹے لوگ اسے بڑھادیتے ہیں،بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نوپید بات ہوتی اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائص حمیدہ کی ضد ہوتی ہے اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتاہی نہیں ہوتا اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتا پوچھا جائے تو کچھ پتاہی نہیں چلتا لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہورہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی نہ دلیل سوائے اس امر کے پتا نہیں کب سے ایسا ہی ہورہا ہے لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نوپید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی برائی حدیث شریف میں ہے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے

عـــہ۱:رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفیۃ و المسعودی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲منہ۔ عـــہ۲:رواہ ابن ابی الدنیا و الطبرانی فی الکبیر و ابو نصر السجزی فی الابانۃ و	ابن عساکر نے محمد بن حنفیّہ اور مسعودی سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا(ت) ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں،امام ابو نصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں،امام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۲۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸،۲۹۳

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السنة فکانما یحول جبلة او یحاول جبلاو یبتدع حکما من عندہ قبلا۔ و ان القلب اذا امتلاء بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر، فان	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے "تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے گویا ان کو فطرت بدل رہا ہے یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گھڑ رہا ہے۔" اور دل مین جب کوئی بات سماجاتی ہے تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ،والطبر نی فیہ والحاکم فی الکنی ابن عساکر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فیہ والبیھقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعو دو الطبر انی فیہ عن ام المو منین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و لفظة حدیث ام المو منین لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب[3] الحدیث وھو قطعة احادیث عندھم جمیعا ۱۲منہ۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی) ام المؤمنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب الحدیث۔اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے ۱۲منہ

[3] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/۲۹۳

قراء لم یجاوز التراقی اوسمع لم یجاوز الاذن وما بھذا امر وانماقال لہ ربہ وقول الحق ووعدہ الصدق "فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ "[4] فالسبیل الاستماع ثم الانتفاء ثم الاتباع،لاان یقنع ولایسمع،او یکو ن من الذین سمعو اوھم لا یسمعون فھم بالقرآن لاینتفعون۔

وانماالنفع لمن کان لہ قلب مرید أو القی السمع وھو شھید۔

فعلیك یااخی القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم او لاباِیجاب اوسلب رجاء ان تجد حقافتنذ عن فان الحکمۃ ضالۃ المؤمن فتدخل او ذاك فی بشارۃ مولاك واللہ یتولی ھدای وھداك۔

ولنجمل اولاماوجدہ الفقیر فی ھذہ المسألۃ من الحدیث الکریم

نہیں کرتا۔اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتاہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی اور سنتاہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیاہے وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ہدایت دی اور وہی اہل عقل و بصیرت ہیں۔"

توراستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھانہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔یا سن کران سنی کردینے کا ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔

نفع تو ان لوگوں کو پہنچتاہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادران محترم!غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے،اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے، ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ،فقہ مستقیمہ،بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

[4] القرآن الکریم ۳۹/۱۷و۱۸

والفقه القویمِ بل ومن القرآن العظیم، ثم نفصله تفصیلاباذن الفتاح العلیم۔لان التفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس و اقمع للتکمین والحدث و لا ارید کل التفصیل لمابد فان المسئلة تحتمل مجلد او لکن ماقل وکفی خیر مما کثر و الهی[5] قاله عـــه النبی المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وعلی اله افضل الصلوة والثنا۔	پا سکتا ہے اسے اجمالا بیان کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جا گزیں اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے پوری تفصیل کے لیے تو صحیفے در کار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔حدیث شریف میں ہے "جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والا ہو طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔
فاقول:وبہ استعین:ارشدناالحدیث الصحیح الذی رواہ ابو داود فی سننه وامام الائمةابن خزیمه فی صحیحه،امام ابو قاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر ان السنة فی هذاالاذان ان یکون بین یدیه الامام اذاجلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جوفه هکذاکان یفعل علی عهدرسول الله تعالٰی علیه وسلم وعهدصاحبیه ابی بکر وعمر	پس میں اس کی مدد کے ساتھ **کہتا ہوں** سنن ابی دواد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو لقاسم الطبرانی کی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے امام مبنر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا،

عـــه:رواہ ابو یعلی او الضیاء المقدسی فی المختارة عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ۱۲منه	ابو یعلی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ۱۲منہ (ت)

[5] کنز العمال حدیث ۱۶۱۲۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳۷۵/۶

رضی اللہ تعالٰی عنہما[6] ولم یأتنا عن احد من الخلفاء الراشدین و غیرھم من الصحابۃ و التابعین و الائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین تصریح قط بخلاف ذلك وماکان لھم ان یقولو اوالعیاذ باللہ ترك ماھنالك۔	کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔
وقداعتمد ھذاالحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ"[7] کالزمخشری فی الکشاف،والامام الرازی فی مفاتیح الغیب والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان،والخطیب والجمل و غیرھم و اوردہ الامام الشعرانی فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ،کما سیاتیك نصوصھم ان شاء اللہ تعالٰی۔	اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ" کی تفسیر میں اعتماد کیا چنانچہ کشاف میں زمخشری مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن، رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیا امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔
ثم تظافرت کلمات علمائنافی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجدو انہ مکروہ،نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ،والامام البخاری فی الخلاصۃ،والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایۃ البیان	ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے [1]فقیہ النفس امام قاضیخاں نے خانیہ میں [2]امام بخاری نے خلاصہ میں امام [3]اسبیجابی نے شرح طحاوی میں [4]امام اتقانی نے غایۃ البیان میں [5]امام عینی نے بنایہ میں

[6] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہو ۱/۱۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/۱۴۶
[7] القرآن الکریم ۶۲/۹

والامام العینی فی البنایۃ، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر، والامام الزندوستی فی النظم، والامام السمعانی فی خزانۃ المفتین و مختار الزاھدی فی المجتبی، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق، والمحقق ابراہیم الحلبی فی الغنیۃ والبرجندی فی شرح النقایۃ والقھستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی فی الحواشی علی مراقی الفلاح واصحاب الفتاوی العالمگیریۃ، والفتاوی التاتار خانیۃ و مجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا۔ ویلموا بتخصیص اصلا، والھجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص فھم مخصوص بل و ھم مرصوص۔ ثم ولنا القراٰن العظیم والاحادیث و الشاھد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءۃ ادب بالحضرۃ الالھیۃ۔ ثم ھو خلاف ماشرع له الاذان۔ ثم لیس علیه من حدیث ولا فقه دلیل ولا برہان ولا یعارض العلامۃ الحکم ولاالاشارۃ العبارۃ ولا المحتمل الصریح ولا المجاز علی الحقیقۃ۔ ثم ھو علی حاله ھذاوان شاع فی زماننافی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع و لاعلیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولاھو متوارث من الصدر الاول،

[6]امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں [7]امام زندوستی نے نظم میں [8]امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں [9]مختار زاہدی نے مجتبی میں، [10]محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں، [11]محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، [12]برجندی نے شرح نقایہ میں، [13]قہستانی نے جامع الرموز میں، [14]سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب [15]فتاوی عالمگیریہ، [16]فتاوی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیا نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا تو غیر مخصوص کی تخصیص کاارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور قابل غور ہیں (۱) جوف مسجد میں اذان دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔ (۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال و مجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہو سکتے (۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے پس ایسے امر کا جواز

فمثل هذالایحتمل ولایقبل والمنكر لایصیر معروفاوان فشا۔ ولاالحادث قدیماوان لم نعلم متی نشاء۔ ویاسادتناعلماء السنة انتم المدخرون لاحیاء السنة وقد ندبكم الی ذلك نبیكم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی غیر عـــہ۱ ماحدیث ووعدتم عـــہ۲ علیه اجر مائة	نہ تو محتمل ہے نہ قابل قبول اور جو فعل شرعاناپسندیدہ ہو گو لاکھ معروف و مشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کازمانہ متعین نہ کر سکیں مقبول و معروف شرعی نہیں ہو سکتا۔ اے سرداران امت علمائے اہلسنت اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کر رکھا ہے اور آپ کے رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے اس پر سو شہیدوں

عـــہ۱: الترمذی عن بلال وابن ماجه عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنهماعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: من احیاسنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجر من عمل بهامن غیر ان ینقص من اجورهم شیئا[8]۔ ۱۲منه

عـــہ۲: والبیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهماقال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم "من تمسك بسنتی عند فسادامتی فله اجر مائة شهید[9]"

ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیااسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گاان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انہوں نے رسول اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی "جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیااسے سو شہیدوں کاثواب ملے گا"

---

[8] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة الخ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲، سنن ابن ماجه باب من احیاء سنة قد امیتت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[9] کتاب الزہد الکبیر للبیهقی حدیث ۲۰۹ دار القلم الکویت ص۱۵۱

شهيد۔ وان عـــه تكونوا به مع نبيكم في دار المزيد۔ وانما تحي اذا اميتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بها وسكت عنها علماؤهم لما قد مرا و شبه لهم فلمن احياها حقا اجره ولمن سكت سابقا عذره على ذلك مضى امر احياء السنن وتجديد الدين من سالف الزمن الى هذا الحين فالاستناد في مثله بعمل الناس و عادتهم او سكوت من سلف قريب من سادتهم او زعم انه يلحقهم بذلك شين	کے اجر اور دار اخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ سنت کا احیا جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدرامد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالاوجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا

عـــه: السجزي في الابانة عن انس رضي الله تعالٰى عنه: من احيا سنتي فقد احبني ومن احبني كان معي في الجنة[10]

رواه الترمذي بلفظ من احب اللهم ارزقنا، امين! ۱۲ منه

امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ "جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"

اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے یااللہ! ہم سب کو اپ کی محبت عطا فرما! ۱۲ منہ

[10] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۴

مع جلالتھم۔ کل ذلك جھل واضح و وھم فاضح وسد لباب احیا السنة مع انه مفتوح بید المصطفی سید الانس و الجن صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔ واما تفصیل کل مع اجملت ھنا ففی شمائم زاکیات، فی کل شمائمة نفحات طیبات وعلی حبیبنا واله اطیب الصلوۃ وانمی التحیات۔	تو اس پر ان علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اور احیائے سنت کا سد باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب ہم مہکتے شاموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔ آمین

الشمامۃ الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی)

نفحہ۱: أنبانا شیخنا العلامۃ الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سرہ الملکی بمکۃ مکرمۃ ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی الازھری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد اللہ الشرقاوی الشافعی الازھریین ح، وانبانا المولی المفتی العلامۃ عبد الرحمن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجۃ ۱۲۹۵ھ عن مفتیہا المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر ح وانبانا عالیا بدرجۃ السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی	**نفحہ۱:** ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات

ببیته عند باب الصفا فی ذی الحجة ۱۲۹۵ھ کلاھما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسید بن احمد و قاسم ابنی سلیمٰن وعمه محمد حسین الانصاری ح، و انبانا شیخنا السید الامام العارف باللّٰه الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبدالعزیز الدھلوی عن ابیه الشاہ ولی اللّٰه الدھلوی عن الشیخ ابی طاھر بن ابراھیم الکردی المدنی ح، وغیرھم من مشایخنا رحمھم اللّٰه تعالیٰ جمیعا باسانیدھم المعروفة الی ابی داؤد فی سننه قال حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علٰی باب المسجد و ابی بکر و عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما[11] ھذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقة صدوق امام قال شعبة و ابو زرعة والذھبی وابن حجر صدوق و قال الامام ابن المبارك	نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبد الرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اور انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابو داود تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد اسحٰق زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا:—" حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ " یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

[11] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب پریس لاہور ۱/۱۵۵

انا وجدناہ صدوقا انا وجدناہ صدوقا انا وجدناہ صدوقا[12]۔ تلمیذ لہ ائمۃ اجلاء کابن المبارک وشعبۃ وسفٰین الثوری وابن عیینۃ والامام ابی یوسف واکثر عنہ فی کتاب الخراج لہ۔	ابن مبارک فرماتے ہیں: "ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا۔" امام عبداللہ بن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔
و قال ابو زرعۃ الدمشقی اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ قال و قد اختبرہ اھل الحدیث فرؤہ صدقا و خیرا۔[13]	امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: "اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے، اور اپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدق و خیر پایا۔"
و قال ابن عدی لم یتخلف فی الروایۃ عنہ الثقات و الائمۃ ولا بأس بہ[14]	ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور اپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"
و قال علی بن المدینی ما رأیت احدا یتھم ابن اسحق[15]	امام علی ابن المدینی نے کہا" کسی امام یا محدث کو ابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا"
وقال سفیان عــــہ بن عیینہ جالست	امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں

عــــہ: وبہ ظھر کذب من زعم الاان ان قد جرحہ سفٰین	سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

[12] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحق دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۳۶/۴

[13] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[14] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفہ بیروت ۳/ ۴۷۴

[15] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

ابن اسحق منذ بضع سنين وسبعين سنة	ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عيينه. حاشاه بل قدتلمذ و ذب عنه وقال رايت الزهری قال لمحمد بن اسحق اين كنت ؟ فقال هل يصل اليك أحد ؟ فدعا حاجبه وقال لاتحجبه اذاجاء [16] وقال ايضاقال ابن شهاب وسئل عن مغازيه فقال هذاأعلم الناس بها[17] وقال ابن المدينی قلت لسفيان كان ابن اسحق جالس فاطمة بنت منذر فقال اخبرنی ابن اسحق انهاحدثته وانه دخل عليها[18] وقال ابن عيينة ايضا

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے خدا کی پناہ انہوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کو دیکھا کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) توامام زہری نے اپنے دربان کو بلا کر فرمایا آئندہ ابن اسحٰق کو اندرانے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انہوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ اس کوسب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں حضرت علی بن مدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحاق فاطمہ منذر کے پاس بیٹھے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہ

---

[16] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[17] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[18] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

ومایتهمه احد من اهل المدینة ولایقول فیه شیئا[19] وقال ابو امعاویة کان اسحاق	اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا نہ ان پر کچھ تنقید کی۔ امام ابو معاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعت شعبة یقول محمد بن اسحق امیرالمو منین فی الحدیث[20] فهذا ماجر حه به سفیان نعم ذکران الناس اتهموه بالقدر[21] ولو کان هذاجر حافما اکثر المجرو حین فی الصحیحین، الاتری انه کان یسمع هذا ثم لایترك مجالسة ابن اسحاق ولاالاخذ منه هل لیس منه مایدل علی تصدیقه الناس فی هذافکم من تهمة لااصل لها، وسیأتیك کلام ابن منیر ۱۲منه۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور انکے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے لیکن کیا یہ جرح ہے، اگر جرح ہو تو بخاری و مسلم ایسے مجروح روایوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحاق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے نہ توان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں مزید ابن منیر کا کلام آرہا ہے ۱۲منہ۔

[19] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[20] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۶/۳، میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بیروت ۴۶۹/۳

[21] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بیروت ۴۶۹/۳

من احفظ الناس[22] وقال الامام ابن معین اللیث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحق[23]۔

قلت ویزید هذا کماقال ابن یونس روی عنه الاکابر من اهل مصر قلت کعمرو بن الحارث وحیوۃ بن شریح وسعید بن ابی ایو ب واللیث بن سعد نفسه کلهم ثقات،اثبات،اجلا،و یحیی بن ایو ب الغافقی صدوق خمستهم من رجال الشیخین و عبدالله بن لهیعة صدو ق حسن الحدیث علی مااستقر الامر علیه و عبد الله بن عیاش کلاهمامن رجال مسلم و من غیر هم سلیمن التیمی البصری و زید بن ابی انیسة ثقتان من رجال الصحیحین و عبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم واٰخرون کثیرون ففی هذا تفضیل لابن اسحق علیهما جمیعا۔

وقال الامام شعبة لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحق علی المحدثین[24] وقال ایضامحمد بن اسحاق امیر المومنین فی

لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے"اور امام ابن معین نے فرمایا"یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے"

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث،حیوۃ ابن شریح سعید بن ابی ایوب اور خو د لیث بن سعد،یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں عبد اللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبد اللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں انکے علاوہ سلیمان تیمی بصری،زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تواس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔

امام شعبہ نے فرمایا" میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ توامیر المومنین فی الحدیث ہیں"ایک روایت میں ہے کہ

---

[22] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃالرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[23] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

[24] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

الحدیث [25] وفی روایة عنه قیل له لماقال لحفظه وفی اخری عنه لوسو د احد فی الحد ث لسو د محمد بن اسحق [26] وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ستة فذکر هم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن سحق فیهم [27] وقال الامام الزهری لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیهاابن اسحاق [28] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحق [29] مع انه شیخه وشیخ الدنیافی الحدیث و قال شیخ الاخر عاصم بن عمر بن قتادہ لایزال فی الناس علم مابقی محمد ابن اسحق [30] وقال عبدالله بن فائد کنانجلس الی ابن اسحق فاذا	کسی نے ان سے پوچھاآپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟تو حضرت شعبہ نے فرمایاان کے حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔ علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھران سب کے نام گنوائے اور فرمایااس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائرہ ہوئیں اور ابن اسحاق ان بارہ ۱۲ میں ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں مدینہ مجمع العلوم رہے گاجب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایاجب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیامیں تمام علوم باقی رہیں گے عبد اللہ ابن فائذ نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

[25] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[26] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[27] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[28] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

[29] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[30] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

اخذ فی فن من العلم ذھب المجلس بذلك الفن[31]۔ وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینة یقارب ابن اسحق فی علمه ولایوازیه فی جمعه وھو من احسن الناس سیاقاللاخبار[32] وقال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحق عالم کبیر واسع الرواۃ والعلم ثقة[33] وکذلك قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیی وعلی بن عبد اللہ (ھو ابن المدینی شیخ البخاری) واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیر ھم ان محمد بن اسحاق ثقه[34] وقال ابن البرتی لم ارا اھل الحدیث یختلفون فی ثقه و حسن حدیثه[35] وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری ھو عندنا ثقة[36]۔	ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔ ابن حبان نے کہامدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یادیگر علوم وفنون کی ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔ ابو یعلی خلیلی نے فرمایا محمد بن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔ یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن یحیٰی وعلی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ حضرت ابن البرتی نے فرمایا علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اوران کی حدیث حسن ہے اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

[31] میزان اعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۷

[32] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ مؤ سسه الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۳۶

[33] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[34] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۷۵، تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار المعرفة بیروت ۱۶/ ۸۰و۸۱

[35] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[36] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

وقال المحقق فی فتح القدیر امّا ابن اسحق فثقة لاشبھه عند نا فی ذلك ولا عند محققی المحدثین [37] وقال ایضاً توثیق محمد بن اسحق و ھو الحق الابلج و ما نقل عن کلام مالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله اھل العلم [38] الخ وقد اطال الامام البخاری فی تو ثیقه فی جز ء القراء ة ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة مایذکر فیه من کلام مالك وما نقل عن علی مایشعر بانکار صحته ماعن ھشام۔ وقد بینا وجھه فی تحریراتنا الحدیثیة واورده ولدی المولو ی مصطفی رضاخاں حفظه اللہ تعالٰی فی کتابه "وقایة اھل السنة عن مکر دیو بند والفتنة "صنفه فی الرد علی وھابیه دیو بند اذخالفوا فی ھذہ المسالة وھم الذین حکم ساداتنا علماء الحر مین الشریفین جمیعاً بکفرھم وارتدادھم وان من شك فی کفرھم وعذابھم فقد کفر [39] لسبھم اللہ	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا اور امام بخاری نے توجزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء "میں بھی نہیں کیا اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے اس کی صحت سے انکار کیا ہے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضاخاں (سلمہ اللہ تعالٰی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ "میں جو وھابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی اور اہل دیوبند پر تو ہمارے علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتوی دیا ہے اور ان کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے

[37] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

[38] فتح القدیر کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

[39] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین و محمداسیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔ ثم اجاب عنہ البخاری فاجادواصاب وقدقال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو مایذکرعن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی و کلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اہل العلم فی ھذاالنحوالاببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الاببرھان وحجۃاھ[40] وحسن الامام احمدو یحیی بن معین و محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد بن یحیی کلھم شیوخ البخاری وابو داؤد والمنذری والذھبی حدیثہ وعدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضاًاعلی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھزبن حکیم عن ابیہ عن جدہ و عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحاق عن التیمی وامثال ذلك	پروردگارعالم اور سیدالمرسلین محمد مصطفٰی کوگالی دی ہے اللہ تعالٰی آپ پراور تمام نبیوں پر درودوسلام نازل فرمائے۔ امام بخاری رحمۃاللہ تعالٰی عنہ نے بے سند تنقیدوں کاکیاخوب رد فرمایاہے آپ فرماتے ہیں ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابرہیم کاکلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کاکلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک طرح صریح اور مدلل نہ ہواور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پراثر نہیں پڑتا۔ امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد ابن یحیٰی یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں اورابو داود، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو حسن قرار دیاہے اورامام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلی مدارج میں گردانا ہے تدریب میں ہے" صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں"امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلی درجہ کی حسن بہزابن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اورابن اسحٰق عن تیمی اوران کے امثال ہیں اور اسی کو

[40] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحٰق ۵۶۴۴ دارالفکر بیروت ۶/۱۲۷ و۷۷، تہذیب التہذیب بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۵

مماقیل انہ صحیح وھوادنی مراتب الصحیح[41] اھ صححہ ابن المدینی والترمذی وابن خزیمۃ و الامام الطحاوی وقد حسن الدار قطنی بعض ماتفرد بہ ابن اسحق وصححہ الحاکم ؎ وقد تبعھما علیہ	ادنی درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انہیں دار قطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا اور ان دونوں

؎: اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القراءۃ خلف الامام وقال، قال علی بن عمر ھذا اسناد حسن[42] واقرہ البیہقی، وروی فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی: ان رجلاقال: یارسول اللہ ! اما السلام علیك فقد عرفناہ، فکیف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلوتنا، وقال: قال الدارقطنی: حسن متصل[43]، واقرہ البیہقی وقال ابن الترکمانی لااعلم احداروی ھذا الحدیث بھذا اللفظ الامحمد بن اسحاق[44] واوردہ ایضافی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشھد ثم حکی الحاکم تصحیحہ، ثم عن الدارقطنی تحسینہ واقرھما۔ ۱۲منہ

سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قراۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا: ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! سلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمائیے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں۔ اور فرمایا کہ دار قطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دار قطنی نے تحسین، اور خود اس کو برقرار رکھا۔ ۱۲منہ

---

[41] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[42] الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۶۹

[43] السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۶۴ و ۲/ ۳۷۸ دار صادر بیروت

[44] الجوھر النقی بذیل السنن الکبرٰی باب وجود الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۳۷۹، ۳۷۸

البیهقی، ووصفه المنذری والذهبی باحدالائمة الاعلام وانه صالح الحدیث ماله ذنب الاماحشافی السیرة من مناکیر[45] واورده الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیه الاالتدلیس۔ وقال امام النووی لیس فیه الاالتدلیس وقال محمد بن عبدالله بن نمیر رمی بالقدرو کان ابعدالناس منه[46] وقال یعقوب بن شیبه سالت ابن المدینی عن ابن اسحق قال حدیثه عندی صحیح قلت فکلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه[47] وذکره ابن حبان فی ثقاته وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق واصطلح معه وبعث الیه هدیة[48]	حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔ حافظ ابن حجر نے انہیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔ امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا ان پہ قدریہ ہونے کاالزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔ یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں میں نے امام مالک کی تنقیدوں کاذکر کیا تو فرمایا وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انہیں پہچانا۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور ان سے صلح کر لی اور انہیں تحفہ بھیجا۔

[45] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۴۶۹/۳، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۵/۳

[46] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۴۶۹/۳، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۵/۳

[47] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق دارالمعرفۃ بیروت ۴۷۵/۳

[48] فتح القدیر کتاب الصلوۃ مکتبہ نوریہ سکھر ۲۰۰/۱ وتحفۃ الاحوذی کتاب الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۹/۲

وقال مصعب الزبیری و دهیم و ابن حبان لم یکن یقدح فیه من اجل الحدیث[49] وقد تکفل بالجواب عنه الائمة احمد وابن المدینی والبخاری وابن حبان والمزی والذهبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کما هو مفصل مع زیادات کثیرة فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم الله تعالٰی "وقایة اهل السنة" ولله الحمد والمنة۔	مصعب زبیری، دحیم اور ابن حبان نے کہا ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل سنۃ" میں ہیں والحمدللہ والمنۃ۔
نفحہ۲: من الجهل الوخیم رمیه بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع[50] ومابین التشیع و الرفض کمابین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهما وهو مذهب جماعة من ائمة اهل السنة لاسیما ائمة الکوفة قال صاحب التقریب نفسه فی هدی الساری التشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر و عمر فهو غال فی تشیعه و یطلق علیه رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلك السب او	**نفحہ ۲:** تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے رفض و تشیع میں زمین و اسمان کا فرق ہے بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے تو اگر کوئی آپ کو ابو بکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

[49] تہذیب التہذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷،کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق ۴۰۶۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۳۶

[50] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق ۵۷۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۴

التصریح بالبغض فغال فی الرفض[51]اھ وتمام تحقیقه فی تحریراتنا الحدیثیة۔ وفی المقاصد للعلامة التفتازانی الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد فیمابین عثمان وعلی رضی الله تعالٰی عنهما[52] وفی شرحهاله قال اهل السنة الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال بعض منهم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهماوالبعض الی التوقف فیمابینهما[53]اھ وفی الصواعق لامام ابن حجر جزم الکوفیون و منهم سفیان الثوری بتفضیل علیٍّ علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینهماوهوروایة عن مالك[54]، اھ۔وفی تهذیب التهذیب فی ترجمة الامام الاعمش کان فیه تشیع[55].اھ وفی شرح الفقه الاکبر لعلی قاری روی عن	اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔ مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔ شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔ تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔ فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

[51] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۱

[52] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بترتیب الخلافة دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۹۸

[53] شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بترتیب الخلافة دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۹۸

[54] الصواعق المحرقہ الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷

[55] تہذیب التہذیب ترجمہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش موسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۱۱۰

ابی حنیفۃ تفضیل علی علیٰ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنھما الصحیح ما علیہ جمہور اھل السنۃ و ھو ظاھر من قبول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ما رتبہ ھنا وفق مراتب الخلافۃ[56]۔اھ	میں لکھا ہے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہ) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔
ثم لایذھب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی بہ وقد عد فی ھدی الساری عشرین منھم فی مسانید صحیح البخاری فضلا عن تعلیقاتہ،بل فیہ مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ثم الشبھۃ لاقیہ لھا راسا فکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقد تقرر عندھم ان المبتدع تقبل روایۃ اذا لم یکن داعیۃ۔	پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا بلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسا رافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں خود بخاری و مسلم میں بہت سے روای ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کا شبہہ کیا گیا اور اصول محدثین کی رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔
نفحہ۳: اصل الحدیث رویناہ فی المسند حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابی اسحق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبیداللہ الزھری عن السائب	**نفحہ ۳:** اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب،ابی،ابن اسحٰق حدثنی محمد بن مسلم عبیداللہ الزہری سائب بن یزید یہاں یہ

[56] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ الخ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۱۸۷

بن یزیدابن اخت نمر[57] فقد صرح بالسماع فلا علیك من عنعنة هناھذا وجہ۔

وثانیاً ابن اسحق کثیرالروایة عن الزھری و العنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع قال الذھبی فی مثلہ متی قال "نا" فلاکلام و متی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الافی شیوخ له اکثرعنهم فان روایته عن ھذاالصنف محمولة علی الاتصال[58]۔اھ

لاسیماابن اسحق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثرعنهم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحق لیتبین فیه الصدق وھو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضروروی عن رجل عنه وھو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب

حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے تواب اس روایت پر نہ تدلیس کااعتراض ہوسکتاہے نہ ارسال کاایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا یہ ہے کہ امام محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیرالروایت ہیں اور ایسے راوی کاعنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتاہے امام ذہبی فرماتے ہیں راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کااضافہ کرے تو تدلیس کااحتمال ہوتاہے مگرجب روای ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیرالروایت ہوتو یہ روایت متصل ہوگی۔

اور ابن اسحٰق کے بارے میں معروف مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں علی بن المدینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے وہ سالم بن ابی نضر سے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیرالروایت ہیں پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اور انکی

[57] مسنداحمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۴۴۹/۳

[58] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مھران دارالمعرفة بیروت ۲۲۴/۲

عنہ[59] اھ **قلت** و کذاھو من اروی الناس عن ابن شھاب وقدرو ینافی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحق عن عبدالسلام عن الزھری[60]	روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔ **میں کہتا ہوں** ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ ان سے عبدالسلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے (تو ابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے روایت متصل ہے)
و **ثالثًا** ھذاکلہ علی طریقۃ ھٰؤلاء المحدثین اما علی اصولنامعشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمھور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبھۃ الارسال و حقیقتہ مقبولۃ عند ناو عندالجمھور فکیف بشبھتہ۔	**تیسرا جواب:** محمد ابن اسحاق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کاڈر ہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔
قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ	امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

[59] تہذیب التہذیب ترجمہ بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۶/۳
[60] کتاب الخراج احادیث ترغیب وتحضیض دار المعرفۃ بیروت ص۹

المدلس، قال جمهور من يقبل المراسيل تقبل مطلقاً[61]. اھ	وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے نہ تو تابعین نے مراسیل کا انکار کیا نہ ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی اور نے۔
و فيه عن الامام ابن جرير الطبرى اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يات عنهم انكاره و لاعن احد من الائمه بعدهم الى راس المائتين[62]	
و فى صحيح مسلم و جامع الترمذى عن محمد بن سيرين التابعى قال لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا اسموا النا رجالكم[63]۔ اھ	صحیح مسلم اور جامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔
قلت و هذا زيد بن اسلم الامام مولى امير المومنين الفاروق الذى كان الامام الاجل زين العابدين يجلس اليه و يتخطى مجالس قومه فقال له نافع ابن جبير بن مطعم تخطى مجالس قومك الى عبد عمر بن الخطاب ؟فقال رضى الله تعالىٰ عنه انما يجلس الرجل الى من ينفعه فى دينه رواه البخارى فى تاريخ[64]، زيد	**میں کہتا ہوں** کہ امام زید بن اسلم جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اور اپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک

[61] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[62] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع التاسع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[63] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱

[64] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زین بن اسلم ۱۲۸۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/۳۸۷

هذاحدث بحديث فقال له رجل يااباسامة عمن هذافقال ياابن اخى ماكنانجالس السفهاء [65]،قال له العطاف بن خالد۔ **قلت** و قداكثرالارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابوالعالية و ابراهيم النخعى وعطاء بن ابى رباح ومجاهدوسعيد بن جبيرو طاؤس والشعبى والاعمش و الزهرى و قتادة ومكحول وابوسحق السبيعى وابراهيم التيمى و يحيى بن الكثيرواسماعيل بن ابى خالد وعمرو بن دينارومعٰوية بن قرة وزيدبن اسلم وسليمان التيمى ثم الائمة مالك ومحمدوالسفيانان افتراهم فعلوه لترد احاديثهم وفى مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت مرسل الصحابى يقبل مطلقًا اتفاقاوان من غيره فالاكثرومنهم الائمة الثلثة ابو حنيفة ومالك واحمدرضى الله تعالٰى عنهم يقبل مطلقًاوالظاهرية و جمهورالمحدثين الحادثين بعدالمائتين لا [66] اھ۔و فى فصول البدائع للعلامة	حدیث بیان کی ایک آدمی نے ان سے کہا ابااسامہ یہ کس سے اپ بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایااے بھتیجے! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔ **میں کہتاہوں** علمائے تابعین مثلاسعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں مسلم الثبوت اوراس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقًا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقًا مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔ فصول البدائع مولی خسرو میں ہے

[65] تهذيب التهذيب ترجمه زيدبن اسلم مؤسسة الرساله بيروت ۱/۶۵۸

[66] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذيل المستصفى الاصل الثانى منشورات الشريف الرضى قم ايران ۲/۱۷۴

مولی خسرو طعن المحدثین بمالایصلح جرحالا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانهاو هم شبهة الارسال وحقیقة لیست بجرح [67]۔اھ	اور محدثین کاایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہہ ارسال ہے حالانکہ خود ارسال اسباب طعن سے نہیں ہے۔
قلت:وروی ابو داود عن عبدالله بن حنظلة بن ابی عامران رسول الله امر بالوضوء عند کل صلوة فلماشق ذلك علیه امر بالسواك لکل صلوة [68] فیه ایضاًابن اسحٰق وقد عنعن ومع ذلك قال الشامی فی سیرت اسنادہ جیدوفیه اختلاف لایضر [69]۔اھ۔	**چوتھاجواب:** ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کاحکم دیا گیا تھا لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کاحکم ہوا اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی اس کے باوجود امام شافعی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔
وروی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی[70]نقل الزرقانی علی المواھب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقةمدلس	**پانچواں جواب:** امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لیے اتنی بار حکم دیا گیا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ فرض نہ کر دی جائے۔امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی،اس روایت میں لیث بن ابی سلیم جو ثقہ مدلس ہیں،

[67] فصول البدائع

[68] سنن ابی داود کتاب الطھارۃ باب السواك آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷

[69]

[70] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلة بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۴۹۰/۳

وقد رواه بالعنعنة[71]اھ ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن[72]اھ وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللآلی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الااذاکان من روایة اللیث عنه الخ[73] وھذاامر مقررعند ھؤلامحدثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیرعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث ممالم یوضح فیھاابوالزبیرالسماع عن جابروھی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منھا[74]اھ **قلت:** ولکن لم یکن منھافی قلب مسلم شیئ فادرجھا فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عز وجل۔ وروی ابن جریرعن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه سمعت	اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ **چھٹا جواب:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللآلی میں کہا "ابو زبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں ہاں لیث سے ہو تو مقبول ہے" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ " صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔" **میں کہتا ہوں** کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دل میں توان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی توانہوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔ **ساتواں جواب:** ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

---

[71] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۲۴۸/۷
[72] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۲۴۸/۷
[73] نظم اللآلی
[74] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابوالزبیر المکی ۸۱۶۹ دار المعرفۃ بیروت ۳۹/۴

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذازنیافارجموھماالبتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لمانزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[75] الحدیث۔

قال ابن جریر ھذاحدیث لایعرف لہ مخرج عن عمرعن رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھذااللفظ الامن ھذاالوجہ وھو عندناصحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولاسبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقدیعل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث[76] اھ وھذاامام الحنفیۃ امام الفقھاء المحدثین الحافظ الناقدالبصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفر احمد الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکۃ حدیثین احدھما

اپ کو فرماتے ہوئے سناکہ بڑھیابوڑھے زنا کریں توانہیں ضرور سنگسار کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث)

ابن جریر نے کہاکہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے اس میں کوئی ایساعیب نہیں جواس حدیث کو کمزور کرے تواس کے ضعیف ہونے کاکوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اورانہوں نے نہ توسماع کی بات کی نہ لفظاحدثنا کہا۔

آٹھواں جواب: امام الحنیفہ، امام الفقہاء والمحدثین، حافظ، ناقدو بصیر، امام ابوجعفر احمد طحاوی نے شرح معانی الآثار "کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ مکۃ عنوۃ" میں دو حدیثیں روایت کیں ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے اور دوسری

[75] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۴۱۸

[76] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۴۱۸و۴۱۹

عن عکرمۃ قال لما وادع رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل مکۃ، والاخر حدیث الزھری وغیرہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد صالح قریشا، الحدیثین بطولھما، قال بعدہ فان قلتم ان حدیثی الزھری وعکرمۃ الذین ذکرنا منقطعان قیل لکم وقدروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما حدیث یدل علی ما رویناہ حدثنا فھد بن سلیمن بن یحیی ثنا یوسف بن بھلول ثنا عبداللہ بن ادریس حدثنی محمد بن اسحق قال قال الزھری حدثنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما الحدیث فی نحو ورقۃ کبیرۃ قال فی اٰخرہ فھذا حدیث متصل الاسناد صحیح[77] ومعلوم ان "قال فلان" کعن فلان لعدم بیان السماع فیھما۔ قال الامام النووی فی التقریب تدلیس الاسناد بان یروی عمن عاصرہ مالم یسمعہ منہ موھما سماعہ قائلا: قال فلان او عن فلان ونحوہ[78]. الا فی ما عنعنۃ ابن اسحق ان حکم ھذا	حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی" یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری و عکرمہ کی مذکور منقطع ہیں،" فہد بن سلیمن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایا یہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظ عن کا ہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔ اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ "تدلیس اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کا معاصر ہو جب تک اس سے خود نہ سنے اور لفظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے جیسے قال فلاں یا عن فلان مگر ان روایتوں میں جن کو

[77] شرح معانی الاثار کتاب الحجہ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ عنوۃ ایچ ایم کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳تا۲۰۸

[78] التقریب للنووی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قبل الامام الحجه انه متصل الاسنادوانه صحیح فقدرفع مکحول وابواسحق السبیعی کلتاالشبهتین الکلام فی ابن اسحق وعدالته والاتیان من قبل عنعنة بلفظ الکریم الصریح، وﷲ الحمد۔ وهذاامامناثانی ائمه مذهبناالامام ابو یوسف رضی ﷲ تعالٰی عنهم قداکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحق معنعنة و غیر معنعنة و قدقالواکمافی ردالمحتارو غیره ان المجتهداذا استدل بحدیث کان تصحیحاله فقد صحح الامام ابو یوسف احادیث ابن اسحق و عنعنة کیف؟ وقد ادرجهافیمااوجب العمل به اذقال فی مبدء کتابه ان امیرالمو منین ایده ﷲ تعالٰی سالنی ان اضع له کتابا جامعایعمل به فی جبایة الخراج والعشور والصدقات و الجوالی وغیره ذالك ممایجب العمل به و قد فسرت ذلك و	محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیا ہو بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناداور صحیح ہیں، وہ امام حجۃ ہیں مکحول اورابواسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے۔" ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایاجو حضرت محمد بن اسحاق سے بصیغہ عن وبغیر عن مروی تھیں اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتاروغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنااس حدیث کی تصیح شمار ہوتا ہے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرماکران کی تصیح کی اوراستدلال بھی ایسی کتاب میں کیاجس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خوداس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی آپ لکھتے ہیں بے شک امیرالمومنین نے (خداان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پر وہ اپنی زند گی بھر جبایاخراج عشر صدقات اورجوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اور وہ احکام واجب العمل ہوں تومیں نے

شرحتہ[79] اھ **نفحہ ۴:** کفانا المولی سبحانہ وتعالیٰ النظر فی توثیق ابن اسحق و حجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کماالین لداؤد علیہ الصلوۃ السلام الحدید[80] رواہ فی کتابہ الذی قالوافیہ من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔	ان کی تعبیر اور توضیح کردی **نفحہ ۴:** روایت ابن اسحٰق کی تائید وتوثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالاحدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داود علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کررہا ہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرماکر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔
O وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہ ویقاربہ[81]	o مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابوداود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔"
O وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ماسکت عنہ فھو حسن[82] اھ	o فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انہیں کا یہ قول منقول ہوا "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔"
Oوفی رسالۃ الی اھل مکۃ	o ابوداود نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا "اس

[79] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳

[80] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ ومعالم السنن للخطابی ۱/ ۵

[81] مقدمہ ابن صلاح الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[82] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰، تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

ماکان فیه حدیث منکر نبینه بماانه منکر [83]	کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گاتواس کاسبب بھی بیان کروں گاکہ کیونکر منکر ہے"
Oوقال ابو عمر بن عبدالبر کل ماسکت علیه فهو صحیح عنده [84]	O ابو عمر بن عبدالبر نے کہا" جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔
Oوقال المنذری:کل حدیث عز وته الی ابی داودو سکت عنه فهو کماذکر ابو داود ولاینزل عن درجه الحسن وقدیکون علی شرط الصحیحین [85]	O امام منذری نے فرمایا" جس حدیث کی نسبت ابو داود کی طرف کروں اور ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہو تو وہ ابو داود کے قول کے مطابق ہے یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے"
Oوقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ماوجدنافی کتابه مطلقاًفهو حسن عندابی داود [86]	O ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا" امام داود کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"
Oوقال العلامة ابن الترکمانی فی الجوهر النقی اخرجه ابو داودوسکت عنه فاقل احواله ان یکون حسناعنده علی ماعرف [87]	O امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں" ابو داود نے جس حدیث کی تخریج فرماکر سکوت کیااور اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیساکہ یہ بات مشہور ومعروف ہے۔"
Oوقال الزیلعی فی نصب الرایة	O نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

[83] مقدمہ سنن ابی داود مع سنن ابی داود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴، فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۸۸و۹۸

[84] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۹۱

[85] الترغیب الترہیب مقدمة الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱

[86] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خان کراچی ۱/ ۱۳۴

[87] الجوہر النقی علی ھامش السنن الکبری کتاب الدعوی والبینات حیدرآباد دکن ۱۰/ ۲۷۱

ان اباداودروی حدیث القلتین وسکت عنه فهو صحیح عندہ علی عادته فی ذلك[88] O وقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصدالحسنة یکفینا سکوت ابی داود علیه فهو حسن[89] O وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر سکت ابو داؤد فهو حجة[90] O وقال العلامة محمد بن امیر الحاج رواہ ابو داود وسکت علیه فیکون حجة علی ماهو مقتضی شرطه[91] O وقال العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة سکت علیه ابوداود المنذری بعدہ فی مختصرہ وهو تصحیح منهما[92] اھ O وقال الخطابی فی معالم السنن کتاب ابی داؤد جامع لهذین النوعین	"ابو داود نے حدیث قلتین روایت کیااوراس پر سکوت فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے" O حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا "اس حدیث پرابو داود کاسکوت ہی ہمارے لیے کافی ہےاور یہ حدیث حسن ہے۔" O محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں "ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیاتو یہ حدیث حجت ہے" O علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں "ابو داود نے اس پر سکوت کیاتو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے" O علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایاابو داو داوران کے بعدامام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایاتو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ O علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا "ابو داود کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

[88] نصب الرایه کتاب الطهارة باب الماء الذی یجوز به الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/ ۱۶۳
[89] المقاصد الحسنه تحت حدیث ۳۸۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶
[90] فتح القدیر کتاب الطهارة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵
[91] حلیة المحلی شرح منیة المصلی
[92] غنیه المستملی شرح منیة المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحديث والحسن اما السقيم فعلى طبقات شرها الموضوع ثم المقلوب ثم المجهول. و كتاب ابی داود خلی منها بری من جملة وجوهها[93] وقال الامام بخاری فی جزء القرة قال علی بن عبدالله نظرت فی کتاب ابن اسحق فما وجدت علیه الافی حدیثین و یمکن ان یکون صحیحین[94] اھ و بیّنهما القسوی عن علی لیس حدیثنا هذا بحمد الله تعالٰی منهما احدهما عن ابن عمر عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا نعس احدکم یوم الجمعة[95] والاخر عن زید بن خالد اذا مس احدکم فرجه فلیتوضا[96] و علی هذا هو ابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیه البخاری ما استصغرت	احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں سب سے بے حیثیت موضوع پھر مقلوب پھر مجہول اور ابو داود کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔" امام بخاری نے اپنی اکتاب "جزء القرة" میں لکھا علی ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن سحق کی کتابیں دیکھیں تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں،" ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔ بحمد اللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔ یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

[93] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داود للمنذری مقدمه الکتاب المکتبه الاثریة سانگله ۱/ ۱۱
[94] جزء القراءة خلف الامام للبخاری باب لادلیل علی ان القران رکن فی الصلوۃ ۱/ ۶۰
[95] جامع الترمذی ابواب الجمعة باب فی من ینعس یوم الجمعة امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۹
[96] موارد الظمان کتاب الطهارة باب ماجافی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعة السلفیه ص ۷۸

نفسی الاعند ہ[97] فثبت بحمداللہ تعالٰی ان ابن اسحق ثقۃ وان الحدیث حسن صحیح۔	سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیاتو مذکورہ بالاتفصیلات سے بحمداللہ ثابت ہوگیاکہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اوراذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔
نفحہ ۵: اکثر اصحاب لزھری لم یذکروا فی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیہ" وھمازیادۃ ثقۃ فوجب قبولھما، ومن الظلم قبولہ فی ھذاالافی ذالک فلیس مستند کونہ "بین یدیہ" من الحدیث الازیادۃ ابن اسحق ومن اشدالجھل زعم ان ذکرہ مالم یذکروامخالفۃ لھم والالاضطربت الاحادیث عن اخرھاالاافراداعدیدۃ فمامن حدیث اتی بطریقین اواکثرالاو فی بعضھامالیس فی الاخر، الاناداِرا، ولاعبرۃ بالنادر، ھذاوجہ۔	**نفحہ ۵**: امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کاذکر نہیں کیاہے ان دونوں ٹکڑوں کاذکر صرف ابن اسحٰق نے کیاہے جوایک ثقہ روای کااضافہ ہے اوراس کاقبول کرناواجب ہے تو یہ کتنابڑاظلم ہے کہ "بین یدیہ" کوتسلیم کیاجائے اور "علی باب المسجد" کوترک کردیاجائے اوراس سے بڑاظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کواس وجہ سے ترک کیاجائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں اوروں نے اس کاذکر نہیں کیاہے اوراسی بناپراس اضافہ کوان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیاجائے اورحدیث کو مضطرب قرار دیاجائے اگریہ ظلم روار کھاجائے تو چند معدودداور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یادوسے زائد طریقوں سے مروی نہیں اورہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایساحصہ بھی ضرورہے جو دوسرے میں نہیں شاید ہی ایساہوگاکہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابرہوں اور نادر کاکیا اعتبار۔
وثانیًا: کثیراماتری الائمہ المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدھم حدثنافلان، و فلان عن فلان یزید بعضھم علی بعض ثم	**ثانیًا**: اکثر دیکھاگیاہے کہ ائمہ محدثین چندسندوں کوایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاوہ کہتے ہیں فلاں فلاں

[97] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن عبداللہ ۵۸۷۴ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۴۰

يسو ق الحديث سياقاواحدا افتراهم يجمعون بين الضب والنون[98]۔ و **ثالثًا**: مفسروالقران العظيم من الصحابة و التابعين وهلم جرا كلما فسروا واقعة ذكرت فی القران المجيد زادوااشياء ليست فی القران العظيم فاذن كلهم يخالفون القران الكريم حاشم هم۔ **رابعًا**: فی الصحيحين عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم الااحد ثكم حديثاعن الدجال ماحدث به نبی قومه انه اعور الحديث فاذن يكون صلی الله تعالٰی عليه وسلم و العياذبالله تعالٰی قد خالف جميع الانبياء عليهم الصلاة والسلام فی بيان واقعة وهذالايتفوه به مسلم۔ و **خامسًا**: السورالقرانية تذكر قصة موسی و غيرها يزيد	اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیااور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں تو کیاوہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کوایک ساتھ ہی ملادیتے ہیں۔ **ثالثًا** قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یاتابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے تواس واقعہ میں کچھ ایسااضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیاسب کے سب نے قران عظیم کی مخالفت کی پناہ بخدا! **رابعًا**: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا" تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اورانبیاء سے زائد بتاکران سب انبیاکی مخالفت کی کون مسلم یہ کہے گا؟ **خامسًا**: قران شریف میں حضرت موسی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

[98] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول الله ولقدارسلنانوحاالی قومه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰، صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکرالدجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۰

بعضها علی بعض و حاشا القران ان یتخالف **نفحه۶:** ما اجهل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسه فان قوله بین یدی رسول الله تعالٰی علیه وسلم یعارض قوله علی باب المسجد فلو کان علی الباب کیف یکون بین یدیه و هذا فهم لا یتصور الا من وهم اذا جلست علی المنبر فتجاه وجهك باب فالقائم علیه هل یکون بین یدیك ام خلفك والصفوف الجلوس بینکما لا تحجبه عن نظرك الاتری ان الله تعالٰی سمی السماء بین ایدینا اذ قال و قوله الحق "اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" [99] وکم من جبال بینهما و بیننا وسیاتیك زیادة وافیة فی تحقیق معنی "بین یدیه" ان شاء الله تعالٰی۔	جگہ بیان کئے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟ **نفحہ ۶:** وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ خطیب کے سامنے اور مسجد کے دروازہ پر میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمھارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونیوالا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمھارے آگے پیچھے ہیں" حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیه" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

[99] القران الکریم ۳۴/ ۹

نفحه ۷: اذا بطل زعمة التناقض انتقض ما بنی علیه من وجوب تأویل الحدیث فان الشجرة تنبئی عن الثمرة ولکن ان تعجب فعجب قوله وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلة قبل تحویلها الی الکعبة المشرفة فیاللانصاف باب کان وبان وصار جدارا والباب الحقیقی موجود الان فاذا ذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تأویلا ولا سیما والحاکی لهذا اعنی سیدالسائب بن یزید رضی اللّٰه تعالٰی عنه لم یشاهد ذلك الباب الکائن البائن قط۔

فانه کان ابن سبع عند وفاة المصطفی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فولادته سنة ثلاث

نفحہ ۷: اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہو گیا تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہو گئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اُگ سکتا لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا مگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب ! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس باب کی طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے اس کو تاویل نہیں کہتے یہ تو تحویل ہے تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصاً اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

اواربع من الهجر ۃ الشريفة وتحويل القبلة فی السنة الثانية فهو يحكی ماشاهد ہ فكيف يريد بابالم يشاهده ثم انك تحتاج فيه الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب كان فی الجدار القبلی والمنبر دونه بينهما ممر شاۃ والمؤ ذن دون المنبر فكيف يكون حقيقة علی الباب افتری انه كان يؤ ذن متقد ما الی جدار القبلة مستد برا للنبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم او متو جها الی ظهره الشريف متد برا للقبلة بل لو فر ض هذا لم يكن ايضا حقيقة علی الباب المفقو د ای محله الموجو د لانه الان مسدود۔	وصال کے وقت سات سال کے تھے اس حساب سے ان کی ولادت ۳ ھجری میں ہوئی جب کہ تحویل قبلہ کا واقعہ ۲ ھ کا ہے تو جب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھا اور اسی کے پاس منبر تھا اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی اور منبر کے پاس مؤ ذن کھڑا ہوتا تھا ایسی صورت میں مؤ ذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اور اپ کے پشت کی طرف رخ کرے بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔
نفحه ۸: ارادۃ الباب الشمالی الموجو د اذ ذاك وتاويل علی بالمحاذات ای كان يقوم المؤذن متصلا بالمنبر بين يدی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم لكونه اذذاك علی محاذات الباب الشمالی قيل له علی باب المسجد كلام	**نفحہ ۸:** اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لینا جو منبر کے سامنے واقع تھا اور "علی باب المسجد" کے علی کو محاذات پر محمول کرنا اور مطلب یہ بتانا کہ مؤ ذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا لیکن لفظ "علی باب المسجد" سے اس کی تعبیر اس لیے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا مؤذن اور دروازہ میں آمنا سامنا

مفسول مزدول۔

فاولا: تجوز بعید من دون قرینة والتکلم بمثله تغلیط للسامع وتلبیس للسنة فلایظن بالصحابی۔

ثانیا: فیه تضییع قوله علی باب المسجد لان الباب لماکان محاذیاللامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاة الباب قطعا اینماکان فذکرہ بعد ذکرہ لیس فیه تخصیص ولاتوضیح ولاافادة شیئ مقصو داذلم یکن القصد شرعاالاالی مواجهة الامام لاالی محاذاة الباب فبقی لغواعبثالاطائل تحته۔

وثالثا: ان من اخنع الاباطیل مایقضی وجودہ علیه بالرحیل و ذلك ان التاو یل انمایحتاج الیه اذالم یستقم المعنی الظاہر وانما حلت الظاہر ةلمنافاته بز عمك قوله بین یدیه الالمحاذاة بلاحائل کمااعترفه به ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذاکان علی محاذاة

تھا یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اوّلاً بلاقرینہ معنی بعید مراد لینااور ایساکلام بولناسامع کو غلط فہمی میں ڈالنااور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً: اس تاویل کی روسے "علی باب المسجد" کالفظ بے سود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جوامام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے تو لفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ "علی باب المسجد" نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کاافادہ مقصود کیونکہ بقول مؤول مقصد توامام کے سامنے کھڑا ہونا ہے دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغواور بیکار ہواجس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثاً: اولا یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لیے محمول کیاکہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھااور بین یدیہ کے معنی محاذات بلاحائل ہیں جیساکہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کااعتراف کیااوراب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والادروازہ

الباب کمااعترف الان،کیف لایکون الذی علی الباب محاذیاللامام ولاحائل ثمہ یحجبہ من النظر فصدق بین یدیہ فتاویلك باطل باستقامۃ المعنی الظاھر .واستقامتہ نقتضی لبطلان التاو یل فکان و جو دحا کم بعدمہ و ھذاھواشنع الاباطیل۔

نفحہ۹:اشنع منہ زعم ان عـــہ العاطف

کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونیوالاامام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگاجب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیاضرورت ہے اسی لیے ہم نے کہاتھاکہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کاسامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے اور یہ بد ترین بات ہے۔

نفحہ ۹:اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عـــہ:ومثلہ بل ابعد منہ قول اعجاز الحق ان فی روایۃ محمد بن اسحق تقدیرایعنی اذجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المبنراذن بین یدیہ(بعد ماکان) علی باب المسجد فالنداء لابالفاظ مخصوصۃ علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والشیخین،ثم جعل عثمٰن ھذاالنداء اذانااعی بالفاظ مخصوصۃ علی مقام عال ھوالزوراء علی ماصرح بہ فی المرقاۃ[100] فھذاھوالتحقیق الحقیق بالقبول

عـــہ اوراس سے بھی زیادہ بعیداعجازالحق کاقول ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں پوراایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے" حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبرپر تشریف فرماہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعداذان آپ کے سامنے ہوتی" یعنی وہ نداجو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی ایساحضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتارہاپھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کواذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلاناشروع کیاجو مسجد سے دورایک بلند جگہ تھی ایساہی ملاعلی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرمایا یہ تحقیق لائق قبول ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

[100] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

محذوف قبل قوله "على باب المسجد"	یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبه ارتفع التعارض فی الروایات،وزین القول بالفاظه الفصیحة فهذا اشدة [شفاهته لارزانته] لم یقنع بحذف حرف واحد ولتو همه ان "یؤذن" فی الحدیث علی۔۔۔۔ ولعمر الله لو جوز امثال هذه الحذفات فی الکلام لهان تحویل کل نص الی ماتهوی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی"[101] تقدیرا یعنی بعد ماتزوجتم لان المتاهل عنده ما یغنیه من الزنا المحرم علیه بخلاف الاعزب فانه محتاج الیه و یقول من یبیح قتل الشبان الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ

اوراس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے مسمّٰی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی پورا مرکب غیر مفید کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لیے باب مسجد والا اعلان ہوگا اور اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف منسوب کردیا واللہ العظیم اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قران عظیم کی آیتیں پھیرنا آسان ہوگا مثلا جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ "وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی" (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد تزوجتم یعنی جس کی شادی ہوچکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کرلینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے اس کے پاس بیوی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

[101] القران الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارۃ بین	سے پہلے واو یااو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حَرَّمَ اللّٰہُ"[102] تقدیرا یعنی بعد ماتحرم لان القتل لدفع الایذاء والھرم اضعف من ان یوذی احدا بخلاف الشباب فانہ ان لم یوذ حالا فیستطیع ان یو ذی وقتل المو ذی قبل الایذاء ثم ھو بنفسہ لم لایستدل علی مزعومہ بآیۃ الجمعۃ قائلا: الحق ان فی کلامہ تعالٰی اذا نو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ تقدیرا یعنی "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"[103] داخل المسجد لصیق المنبر یوم الجمعۃ ولا حول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ومانسب التصریح بہ الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گااسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فرمان "وَلَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ" میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ماتحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالٰی نے قتل نفس حرام کیا ہے یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لیے کیاجاتاہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے اور بوڑھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں تو اس کا قتل حرام ہونا چاہیے بخلاف جوانوں کے کہ یہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے جوانوں کے قتل کی نہیں بلکہ خود یہ مو ول اسی مسئلہ میں قران کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بناسکتاہے مثلاقران شریف کی آیت مقدسہ اذانو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[102] القران الکریم ۱۷/ ۳۳

[103] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتارة علی باب المسجداو کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلامابغیر لفظ الاذان و هذابحکایته یعنی عن نکایته فمامثله الا کمن یقول فی قوله تعالٰی "فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآ سَّا ؕ "[104] ان الواو بمعنی او محذوف قبل من"من قبل"والمعنی اما	کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی اور کبھی دروازہ پر یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا منبر کے پاس والی تو اذان ہوئی اور دروازے کے پاس والا اعلان تھا جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینے روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی او ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به ولم یکن وانماابدی من عندنفسه عدة احتمالات شتی لماسبق الی وهمه فاحتمال هو بعده للتوفیق کمایاتی بعونه تعالٰی بیانه الشافی فی نفحة عشرین من الشمامة الرابعه ۱۲منه۔

اذانو دی للصلوۃ داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعة (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے) لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔۔۔۔رہ گئی اس قدر نامعقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیانہ تصریح بلکہ انہوں نے ایک وہم کی بناپر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کاذکر کیا کہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کاواہمہ تھاتو یہ ساری توفیقیں اسی کی پید وارمانی جائیں گی اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی شمامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے ۱۲منہ۔

[104] القرآن الکریم ۵۸/ ۴

متتابعين او قبل ان يتماسا۔ ثم **اولاً** ليس مبناه الاعلى زعم المقابلة بين "بين يديه" و"على الباب" وماهوالاوهم فى تباب فلو وجد العاطف لم يدل على التوزيع بل على جمع جميع و هو مرادنا۔ ثم **ثانيًا** يلزم على الثانى وجود التثويب فى الجمعة على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهو خلاف ماصرح به بل السائب نفسه رضى الله تعالٰى عنه يقول لم يكن للنبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم مؤذن غير واحد و كان التاذين يوم الجمعة حين يجلس الامام يعنى على المنبر رواه البخارى[105] ثم **ثالثًا**: هذاالاذان هوالمحكوم عليه فى الحديث بكونه بين يديه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وبكونه على الباب فكيف تفصيل بينهمابان ماعلى	مقدر ہے اور ایت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔ پھر **اوّلاً**: اس کی تاویل کی بنااس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لیے او بھی یہاں تقسیم کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کے لیے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں یعنی جمع کے لیے ہوگا۔ **ثانیاً** "علی الباب" اور "بین یدیہ" دوالگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لیے تثویب ہوتی تھی اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جوامام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ **ثالثاً**: حدیث شریف میں توایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

[105] صحیح البخاری کتاب الجمعة باب المؤذن الواحد یوم الجمعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۴

الباب اعلام غیرالاذان الاان تقدر مع العاطف معطوفا وھو الاعلام اوتحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجاز اعلی مجاز وترك الحقيقة من دون ضرورة ملجئة وثيقة اشنع مسلك واخنع طريقة و بالجملة امثال الهوسات لايرتكبها الامن يكيد النصوص بالتعطيل ويريد التغيير باسم التاويل۔ **نفحہ ۱۰:** وبعض من تعيرنا به الجهل ارادان يبدی فی الحديث علة تهدمه عن اصله فزعم ان لم يكن فی زمنه صلی الله تعالٰی عليه وسلم للمسجد الكريم باب تجاه المنبر انما كان له ثلثة ابواب، باب جبريل عــــه فی الشرق و باب السلام و باب الرحمة فی الغرب و هذا هجوم على رد الحديث بالجهل الخبيث كان للمسجد الكريم ثلثة ابواب باب جبريل	کلمات میں اعلان ہوتا تھاہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر ماناجائے یعنی وبعد ماکان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی یالفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیاجاتا جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلاکسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننالازم آئے تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر وتبدیل حدیث کرناچاہتے ہیں) **نفحہ ۱۰:** اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھااس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیداکرنی چاہی جوسرے سے اس حدیث سے استدلال کوہی ختم کردے وہ کہتاہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھاہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمہ (شمال وجنوب میں کوئی دروازہ تھاہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کورد کرناہے مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

عــــه: هذا الاسامی حادثة ولايقيت الابواب فی محل الابواب بل احدثت علی محاذاتها بعد الزيادات ۱۲ منه۔	ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انہیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انہیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے منہ ۱۲ غفرلہ

فی الشرق ثم زادامیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب النساء وباب الرحمة فی الغرب ثم زادامیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب السلام و باب ابی بکر فی الشمال ثم زادامیرالمومنین بابا اُخر کمافصله عالم المدینة السیدالسمهو دی رحمة الله تعالٰی علیه فی خلاصة الوفاء[106] و حسبك حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه ان رجلادخل یوم الجمعة من باب کان وجاه منبررسول الله تعالٰی علیه وسلم قائم یخطب[107] الحدیث۔

نفحه ۱۱: لایذهبن عنك ان ههناسنتین، سنة خاصة باذان الخطبة و هو کونه بین یدیه الخطیب حین جلوسه علی المنبر، وسنة عامة لكل اذان و هو کونه فی حدودالمسجداو فنائه، لافی حدودالمسجداو فنائه لافی جوفه کماستسمع نصوص

مگراور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے پوربی جانب باب جبریل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف امیر المومنین نے ایک دروازے کااوراضافہ فرمایاعالم مدینہ حضرت سید سمہو دی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی پھر باب شمال کے لیے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے جو منبر کے سامنے تھاایک جمعہ کوایاآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (الحدیث)

نفحہ ۱۱: یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دوسنتیں ہیں جن میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کااس کے سامنے ہونا ہے اورایک عام سنت ہے جوہر اذان کو عام ہے اوراذان کاحدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہوناہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر اسکی تصریح

---

[106] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۴تا۴۹۶

[107] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجدالجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

الفقهاء علیه و قدسردنالك اسماء هم و قدارشد حدیث السائب رضی الله تعالیٰ عنه الیهما معاً۔ فالاولی قوله بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذاجلس علی المنبر،والاخری قوله علی باب المسجد فان باب المسجد فی حدوده لافی جو فه و خصوصیة الباب ملغاة قطعاوانمالایکون علیه لکونه وجاه المنبر لولاذالك لم یکن علی الباب بل علی حافة المسجداو فی فنائه بین یدی الامام فانکشف به سوالان کثیراماتوردهماجهلة الهنودالاول ان العلماء لم یذکروامن سنن هذاالاذان کونه علی الباب قل لهم لم یذکرونه مع انه غیر مقصود فی هذا الباب و مامثله الا کمثل من یری حدیث ان بلال رضی الله تعالیٰ عنه کان یؤ ذن علی سطح بیت ستنا نوارام زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنهما فیحسب ان السنة فیه کونه من سطح بین الجیران حتی لو کان علی منارة او علی جدارالمسجد کان مخالفاللسنة وهذااجهل منه بان القصد کان علی محل عال لاالی خصوص

ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کر چکے ہیں اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی اور دروازہ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کو ہے اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا جو اکثر کیا جاتا ہے اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا جواب یہ ہے کہ اس لیے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوارام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوارام زید پر اذان دیتے تھے تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں یہ سنت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہونہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر

سقف جار، کذا ھھنا، والثانی ان الفقھاء لایذکرونہ فی باب الجمعۃ سنیۃ اذان الخطبۃ خارج المسجد فی حدودہ انما یذکرون استنان کونہ بین یدی الامام قل لھم ولم یذکرونہ ثمہ فانہ لایختص بہ بل ھو حکم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکرہ ھوباب الاذان لاباب الجمعۃ وقد ذکروہ فیہ نعم کونہ بین یدیہ کان من خصوصیات اذان الخطبۃ فذکروہ فی باب الجمعۃ اشتمل الحدیث علی حکمین خاص وعام وکان من حقھما ان یذکرالخاص فی باب الخاص و العام فی باب العام و کذالك فعلوا ولکن العوام لا یفقھون ھذا علی تسلیم زعمھم والافعلماؤ نالم یخلوا باب الجمعۃ ایضاعن افادۃ ھذاالحکم کما ستری بعون العلی الاعلی۔

نفحہ۱۲: اذاعجز وامن کل جھۃ قالوا ھذا حدیث لم یعرج علیہ الناس فکان مھجوراعندھم و ھذا کما تری قول من لم یترعرع عن العامیۃ شیئا الحدیث وکل شیئ انما یطلب فی معدنہ ولایضرہ عدم

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لیے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے اس لیے علماء نے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیاہاں خطیب کے سامنے ہونااذان جمعہ کے ساتھ خاص تھاتواس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیاخلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولااس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھافقہائے امت نے ایسا ہی کیا یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیاجائے ورنہ ہمارے علماء کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھاان شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲: اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کا چرچا ہی نہیں کیا تو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہو سکا کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو اور دوسری جگہ

و جدانه فی غیره مع هذاماهی الاشهادة نفی ولا سیمامن قوم عمی ولوابصروالنظرواان العلماء لم یز الوایوردونه و یعتمدونه ففی تفسیرالخازن (اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعة) اراد بهذاالاذان عند قعو دالامام علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه ولابی داؤ دقال کان یؤذن بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعةعلی باب المسجد[108]، اهمختصرا۔ وفی تفسیرالکبیر: قوله تعالٰی "اذا نو دی "یعنی النداء اذاجلس الامام علی المنبریوم الجمعة وهو قول مقاتل وانه کماقال لانه لم یکن فی عهدرسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه کان اذاجلس علیه الصلوۃ والسلام علی المنبراذن بلال علی باب المسجدو کذا	نہ ملنے کی کوئی شکایت نہیں اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے ورنہ علماء تو اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اور اس پر اعتماد کرتے رہے تفسیر خازن میں ہے: (جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصراً تفسیر کبیر میں ہے: اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" یعنی ندا جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے یہی مقاتل کا قول ہے اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

[108] لباب التاویل فی معالم التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیة ۶۲ / ۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۹۰

على عهد ابی بكر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما[109] .اھ	دیتے ایسا ہی ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانے میں بھی تھا۔
وفی الکشاف:النداء الاذان وقالوا المراد به الاذان عند قعود الامام علی المنبر .وقد کان لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا انزل اقام للصلوة ثم کان ابو بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما علی ذلك حتی اذا کان عثمان وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ التی تسمی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصلوة[110] .اھ	تفسیر کشاف میں ہے (سورہ جمعہ کی آیت میں) نداء سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا خطبہ کے بعد اپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا اور دور دور تک مکانات ہوگئے تو اپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا جو اپ کے گھر سے موسوم بہ زوراء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور اپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے پھر اپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔
وفی الدر الشفاف لعبدالله بن الهادی: کان له صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد	در شفاف لعبداللہ بن الہادی میں ہے: آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

[109] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹/۶۲ میدان الجامع الازھر مصر ۸/۳۰

[110] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت الآیه ۶۲/ ۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۳۲

فکان اذاجلس علی المنبراذّن علیٰ باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوۃ[111] اھ وکذافی النھرالماد من البحر لابی حیان: کذالك کان فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اذ اصعد علی المنبراذن علی باب المسجد فاذا نزل بعد الخطبة اقیمت الصلوۃ وکذاکان فی زمن ابی بکرو عمرالی زمن عثمان کثرالناس وتباعدت المنازل فزادموذناآخرعلی دارہ التی تسمی الزوراء فاذاجلس علی المنبراذن الثانی فاذانزل من المنبراقیمت الصلوۃ ولم یعب احد ذلك[112] وفی تقریب الکشاف(لابی الفتح محمد بن مسعود) کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم کذالشیخین بعدہ مؤذن واحد یوذن عندالجلوس علی المنبرعلی باب المسجد[113]. اھ	جواپ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ نہرالماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور جب خطبہ کے بعد اپ اترتے تو نماز قائم ہوتی ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو اپ نے ایک مؤذن کا اضافہ فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مؤذن دوسری اذان دیتا پھر اپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔ تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم اور اپ کے بعد شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔

[111] الدرالشفاف

[112] النھرالماد من البحر علی ھامش البحرالمحیط تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۶۵

[113] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم: کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ[114] اھ

وفی تفسیر النیسابوری: النداء الاذان فی اول وقت الظھر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد[115] الخ مثل ما فی الکشاف۔

وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالھیۃ: قولہ تعالٰی "اذا نودی للصلوۃ" المراد بھذا ا لنداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نداء سواہ فکان لہ مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ ثم کان ابو بکر و عمرو علی بالکوفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ذلك حتی کان عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ و کثر الناس و

اور جب آپ منبر پر سے اترتے نماز قائم فرماتے۔

اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا اور اپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے نداء اول وقت ظہر میں اذان ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا الخ (موافق تفسیر کشاف)

تفسیر خطیب و فتوحات الٰہیہ میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے "اس نداسے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ایک ہی مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابو بکر و عمرو علی (رضی اللہ تعالٰی عنھم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آبادی

---

[114] تجرید الکشاف

[115] غرائب القران (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/ ۵۲

تباعدت المنازل زاداذاناآخر الخ۔[116] وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عھدرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکروعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما اذاجلس الخطیب علی المنبرالی قولہ وکان الاذان علی باب المسجد اھ۔[117]	بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے توانھوں نے ایک اذان اور زائد کی۔ کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اورابو بکروعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتااوراذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

---

[116] الفتوحات الالھیہ(الشھیر بالجمل)تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[117] کشف الغمہ باب صلوۃ الجمعہ فی الاذان والخطبۃ وغیرھادار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامة الثانيه من صندل الفقه

(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحه۱: الحمدلله تظافرت النصوص على كراهة الاذان فى المسجد والنهى عنه بصيغة النفى الاكد من صيغة النهى ففى[۱] الخانية و[۲] الخلاصة و[۳] خزانة المفتين و[۴] شرح النقاية للعلامة عبدالعلى و[۵] الفتاوى الهندية و[۶] التاتارخانية و[۷] مجمع البركات ينبغى ان يو ذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يوذن فى المسجد[118]. اھ و[۸] فى البحر الرائق شرح كنز الدقائق وفى الخلاصة:	**نفحہ۱:** اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔[۱] خانیہ [۲] خلاصہ ، [۳] خزانۃ المفتین ، [۴] شرح نقایہ للعلامہ عبدالعلی [۵] فتاوی ہندیہ ، [۶] تاتارخانیہ ، [۷] مجمع البرکات میں ہے مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر ؟ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [۸] بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

[118] الفتاوى الهنديه كتاب الصلوة الباب الثانى الفصل الثانى نورانى کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵، فتاوى قاضى خان مسائل الاذان ۱/ ۳۷ و خلاصة الفتاوى الفصل الاول فى الاذان ۱/ ۴۹، خزانة المفتين فصل فى الاذان ۱/۱۹ و شرح النقاية للبرجندى باب الاذان ۱/ ۸۴

ولا یؤذن فی المسجد[119] اھ

وفی ۹شرح مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم ۱۰المجتبی شرح مختصر الامام القدوری لایؤذن الا فی فناء المسجد او علی المئذنۃ[120]

و ۱۱فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی: لا یؤذن الا فی فناء المسجد او ناحیتہ عــہ[121]۔

مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

۹شرح مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور ۱۰المجتبی شرح مختصر للامام قدوری میں ہے اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں منارہ پر۔

۱۱بنایہ شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے: اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

عــہ: الناحیۃ الرکن، والجانب کلھا بمعنی فی القاموس الناحیۃ الجانب[122] اھ وفی المصباح الجانب[123] الناحیۃ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وارکان کل شیئ جوانبہ التی یستند الیھا ویقوم بھا[124] اھ واللفظ مبنی من التنحی والاعتزال

ناحیہ رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں قاموس میں ہے ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں مصباح میں ہے الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے اور ہر شیئ کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[119] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۵، خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[120]

[121]

[122] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۷

[123] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دار الھجرۃ قم ایران ۱/ ۱۱۰

[124] تاج العروس باب النون فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۱۹

فی ۲الغنیۃ شرح المنیۃ الاذان انما یکون فی المئذنۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ[125] وفی ۳نظم الامام الزند ویستی ثم ۴شرح النقایۃ للشمس القھستانی ثم ۵حاشیۃ مراقی الفلاح للعلامۃ السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد[126] وفی ۶غایۃ البیان شرح الھدایۃ للعلامۃ الاتقانی وفی ۷فتح القدیر شرح الھدایۃ	۲غنیہ شرح منیہ میں اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔ ۳نظم امام زندویستی ۴شرح نقایہ لشمس قہستانی ۵حاشیہ مراقی الفلاح میں للعلامۃ سید احمد طحطاوی میں ہے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ۶غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامہ اتقانی ۷فتح القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالمجانب من المجانبۃ والانفصال وتری رکنی الکعبۃ الکریمۃ الاسود والیمانی خارجۃ منھا۔
وذکر فی خلاصۃ الوفاء ان عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع ثم قال کل ذلک من الھلال الی الارض خارج عن المسجد[127] منہ غفرلہ۔

قائم ہوتا ہے یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے جیسے جانب دوری اور انفصال کے معنی دیتا ہے اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

[125] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی سنن الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷
[126] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷
[127] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶و۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق: قولہ (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایہ) والمکان فی مسالتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانھما وھو کذلك شرعا فالاقامة فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد[128]، اھ وقالا فی الکتابین فی مسئلة سنیة الطھارة لخطبة الجمعة قیاسا علی الاذان مانصه: الاولی ما عینه فی الکافی جامعا وھو ذکرالله تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراھة الاذان فی داخله[129]۔ اھ فھذہ تسعة عشر نصا وختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانه رحمه الله تعالٰی عقد فی المدخل فصلا للنھی عنه وفی نفی فعله من السلف الصالح مطلقًا فدخل فیھم ائمة المذاھب الاربعة جمیعا ومن قبلھم من الصحابة والتابعین رضی الله تعالٰی عنھم اجمعین وھذا مانصه۔	مصنف امام برھان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہو ناضروری ہے اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔ اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لیے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اوراذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کا ذکر ہے جن کے لیے طہارت سنت ہے، مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔" یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی اور بتایا کہ مطلقًا سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔

[128] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

[129] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم ان للاذان ثلثة موا ضع ،المنارہ، وعلی سطح المسجد ،وعلی بابه ، واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی[130] الی اخرہ۔

نفحہ ۲: بمرأی منك ھذہ النصوص بعمومھا واطلاقھا فان الفعل کما عرف فی الاصول فی قوة النکرة و قد وقع فی حیز النفی فقولھم لایؤذن فی المسجد عام و الباقی مطلق ولا اثر فیھا للتخصیص والتقیید فوجب امرارھا کما ھی والتی فیھا ذکر المئذنة فاقول: اولا لا تؤذن بخروج اذان الخطبة فان الناس بعد الصدر الاول احدثوا اعلاء المنابر دکا بحذائھا لاذان الخطبة کما ھو مشھور ھھنا فی الجوامع السلطانیة ستعلم جواز ذلك بشرطه فیصدق وعلی ھذا الاذان

مدخل کی عبارت یہ ہے "مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گزشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے" الخ یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفحہ ۲: یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لایوذن فی المسجد عام ہے اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں توان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔ اور جن کی عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولاً اس لیے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کے لیے چبوترے بنائے جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جاسکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کے لیے یہی مئذنہ ہوئے اور

130 المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضاً انہ علی المئذنۃ وان لم تکن فی الفناء۔ **وثانیًا** الحکم علی مطلق او عام بمفھوم مردد انما یقتضی ان لا یخلوشیئ من افرادہ عن کلا الوجھین اماکون کل فردیجری فیہ الوجھان فلا، وھذا ظاھر جدا۔عبارۃ نسختی الفتح والعنایۃ۔ واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن بیاء تحتیۃ ای الاذان علیھا ففی فناء المسجد[131]،وعدم کونہ علیھا یشمل الترك والکف فیدخل فیہ کل اذان، وکذا علی نسخۃ تکن بتاء فوقانیۃ والضمیر للمنارۃ فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیا غیرالوجود لشیئ شرعاو علی التنزل فزیادتھا لفظۃ قالوا قطعت ھذا الحکم عن سنن السابق و ذلك لان لا یوذن بمعنی لایفعل الاذان وھو بعمومہ	ان پر اذان ،اذان علی المئذنہ نہ ہوئی تواس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو توصحن مسجد میں ہواذان جمعہ بھی داخل رہی۔ **ثانیًا:** (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو توصحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان)کے لیے ایک حکم مردد ہے اورایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضانہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہواور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا) **(اعتراض)** فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لیے ہے۔

[131] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

كان يشمل كل اذان لكن هذا التنزل الاخير لما كان الكلام فى مابين العبارتين فى اذان المنائر خاصة فلولم يأتيابقالوا لاشمل الظرف الحكم الى العهد ومقصودهمارحمهما الله تعالٰى مع الاستبدال به على المسألة الخاصة افادة الحكم العام فزادا قالوا فصار حكمامنقولاولا عهد فى المنقول عنه فلم يسراليه عهد سياقه وبقى على محوضة اطلاقه و لعمرى لا يوقف على اشارا تهم الابتو فيق من بركا تهم والله الموفق لارب سواه۔	اذان جمعہ تو عدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے) (جواب) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے :اما الاذن فعلی المئذنة وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا"اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی"اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں : اول اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھامگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی یا عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے اوردوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھالیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لیے نہ دے سکاکہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں اس لیے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کواذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لیے حکم یہی ہے اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوااور دوسرے نسخہ کی روسے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تواذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دوصورتیں ہیں عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لیے شرعامعدوم ہیں تو حکم مذکوراذان جمعہ کے لیے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو تو بہر تقدیراس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، ولله الحمد ،اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔فرماتے ہیں:قالوا لایوذن فی المسجد فقہاء کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ لایوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

نفحہ ۳:بتو فیقہ تعالٰی ظهر ت فا ئد ۃ لفظۃ"قا لوا"فی ھا تین العبار تین و لیست فی غیر ھما و لیس کلما قالوا "قالوا"ارادوا تبرأ۔اوافا دۃ خلا ف کما یشھد بہ التتبع ولا ھو ^{عـــہ} مصطلح کل احد بل قا ل السید العلامۃ فی حا شیہ الدر المختار۔۔۔[132]۔

وفی رد المحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الا حا دیث و الفقہ قا ل فی الخلا صۃ یکر ہ عند ھما و الا صح انہ لا یکر ہ عند ہ و مشی فی الفتح علی الکر اھۃ فقال قا لوا یکر ہ مس کتب التفسیر و الفقہ و السنن لانھا لا تخلو عن

جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لیے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لا یؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجو قتہ) کے لیے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علیحدہ جملہ کر دیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہو گیا اور یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لیے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے.بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔آمین !

نفحہ ۳: اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ما سبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے جیسا کہ کلام علماء کے تتبع و تلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث و فقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر فقہ اور سنت کی

عـــہ:ومن نسب فی مسئلتنا ھذہ زیادہ لفظۃ"قالوا"الی الامام فقیہ النفس قاضی خاں فقد کذب وافتری کما تری منہ حفظہ ربہ۔

اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[132] یہاں اعلیحضرت نے غالبا طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی عبدالمنان۔

اٰیات القران و ھذا التعلیل یمنع من شروح النحو اھ[133] فجعله مشیا علیه۔

وفی نھر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغها فسکتت لا یکون رضا عندھما وقیل فی قول الامام یکون رضا ان المزوج ابا اوجدا جزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا[134] ،اھ۔

فجعله جزمابه کذا ھھنا جزم الامامین بوجھین : الاول مقصودھما ھھنا تعلیل القول المعتمد وھو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة ،راجع الھدایة وانظر الی قولھما یفید کذا وھو کذلك شرعا فھما بصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه وتزئیقه۔

والاخر ما نقلنا منهما من قولهما الآخر حیث اولا فیه کلام الکافی۔وجزما بکراھته داخل المسجد فوضح الحق

کتابوں کو چھونا تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی"

نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا" بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں۔اور امام صاحب کے قول پر رضا مندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادا نے کی ہو درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔"

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لایوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لیے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذاو ھم کذلک شرعا دیکھا جائے)

اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ اور بغیر قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں

[133] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[134] النھر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

وللّٰہ الحمد۔ **نفحہ ۴**: لیس یخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذ تلا اٰیۃ "فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ"[135] الاٰیۃ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع و ترک الانسان سدی، فان الشریعۃ لاتاتی الاباحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی لہ بالخصوص فما اجھل الوھابیۃ العنود ومن تابعھم من جھلۃ الھنود اذیقولو نایتونا للنھی فیہ ذکر اذان الخطبۃ خاصۃ ویدانیہ قول من یقول منھم ان الفقھاء انما ذکروا ھذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکروہ فی باب الجمعۃ وقد مر کشف ھذہ الجھالۃ فی النفحۃ ۱۱ من	بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لیے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی ثابت ہے۔ **نفحہ ۴**: یہ بات کسی علم وعقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ" (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کابدلہ پائے گا) میں برتا اور اپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا اگر ہر خاص کے ثبوت کے لیے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہو جائے گی اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھرے گا حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام حکم لاو تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ ناسمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کوممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤ جس سے خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔ اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب

[135] القرآن الکریم ۹۹ / ۷

النفحات الحدیثیۃ أتزعم الجھلۃ ان اذان الخطبۃ لیس لہ من الحکم اما ماذکر فی باب الجمعۃ من کونہ بین یدی الخطیب مثلا کلابل یعتبر بہ سائر الاحکام المذکورۃ لمطلق الاذان فی باب الاذان فلولم یکفہ البیان ثمہ من این تاتی تلک الاحکام لھذا الاذان وھذا شیئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوھابیۃ واتباعھم قوم لایفقھون۔ ھذا ما کان طریق العلم رحم اللہ الامامین الاتقان والمحقق علی الاطلاق واجذل قربھما یوم الطلاق حیث داویا جھل ھولاء بوجہ لم یبق لھم عذرًا ولا حیلۃ وذلك ان الامام صاحب الھدایۃ فی مسئلۃ ندب الطھارۃ لخطبۃ الجمعۃ قاسرھا علی الاذان وذکر ما یوھم ان الجامع کونھا شرط الصلوۃ وھو ظاھر البطلان فالامامان الشارحان عدلا منہ الی ماعین الامام النسفی	میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں اس لیے یہ حکم اذان جمعہ کے لیے نہیں ہوگا۔اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارھویں نفحہ میں گزرا اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو باب جمعہ میں مذکور ہیں مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لیے کافی نہ ہو تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرامد کی کیا سبیل ہوگی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لیے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لیے بھی اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لیے شرط ہونا ہے یہ بات غلط تھی اس لیے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعاً فی الکافی و ھو کونھاذکراللہ فی المسجد ای ذکراموقتاً کالاذان و کان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجدلکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلوان اذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتج الی التاویل اصلا فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منھماذکراموقتاً فی المسجد کان اذن صحیحاً قطعاً وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانھا لکنھما اولا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضامکروہ فی المسجدوای نص انص تریدمن ھذاوللہ الحمد۔	اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اوراس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایساذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہورہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والاذکر نہیں یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے توان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں حدود مسجد ہے اوراذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو حدود مسجد میں تو ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے تواذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیے۔
نفحہ ۵: لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالاوالذاکرون لھا اولئك الائمۃ الاجلاء وامثالھم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوادل علی انہ المذھب لماعرف من عادتھم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب[136] اھ فالتشکیك فیہ بانہ غیرمعزور	**نفحہ ۵:** یہ مسئلہ کتب نوازل کانہیں ہے نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اوران کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذھب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تومسئلہ کے ساتھ ان کانام ضرور لیتے ہیں چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

[136] غنیۃ ذوی الاحکام علی ھامش الدررالحکام کتاب الطھارۃ بیان نواقض الوضو میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

الی سیدنا الامام الاعظم ولیس حاصلہ الاشیئان رفع الامان عن عامۃ مسائل الشرح والفتاوی الغیرالمعزیۃ الی احدوابطال سائر مافیہ من المعزیات الی مشائخ المذاھب لان الاول اذالم یقبل لعدم العلم لکونہ عن الامام فالا خراحدی بالرد للعلم بعدم کونہ عن الامام وانت تعلم ان فیہ ابطال ثلثی مسائل المذھب او ثلثۃ اربا عھاوانما کان علینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کماقالوا افتونا فی حیاتھم فکیف بما اتوابہ جازمین بہ من دون اشعار بخلاف فیہ واللہ الموفق۔	تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں اس کا مقصد دو باتیں ہیں عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی نسبت مسائل امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد و ابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں ان کے رد و ابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔
نفحہ ۶: اذلم یات لھم تخصیص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبۃ من جنس کی یخرج بنفسہ ممایشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجۃ الی تخصیص و ذلک ان الاذان اعلام الغائبین والاقامۃ	**نفحہ ۶**: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرين كما نص عليه الائمة منهم الامام العينى فى عمدة القارى شرح صحيح البخارى و فى الهداية الاذان استحضار الغائبين [137] ـفجعلوا اذان الخطبة اعلاما لحاضرين لاندا ء للغائبين كى لا يكون اذانا وان كان بكلمات الاذان كالاذان فى اذن المولود والمهموم و خلف المسافر ولدفع الغيلان و عند الاقبار لتذكير الجواب و طرد الشيطان وامثال ذلك حيث لا يقصد به نداء الخاص الى مشى او اعلاما لهم بدخول الوقت اصلا بل التبرك واستدفاء البلا بتلك الكلمات الكريمة۔

ثم اضطربوا فاجهلهم يقول لم يكن عــــہ اذانا من لدن رسول الله صلى الله تعالٰى وسلم واذاقيل له افكان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يصلى الجمعة من دون اذان قال ليس فيه. انما

نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے فرمایا "اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے" پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نو مولود کے کان میں کہی جاتی ہے غمزدہ انسان کے لیے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لے دی جاتی ہے اور دفن میت کے وقت منکر و نکیر کا جواب یاد دلانے کے لیے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــــہ: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔ عبدالمنان۔

[137] الهداية كتاب الصلوة باب الاذان المكتبه العربيه کراچی ۱/ ۷۴

کان یصلی الصلوۃ کلھا بمکۃ بدون اذان ولا یدری ھذا المسکین ان ھذا انکار للاجماع و تصریح القران فقد اجمعوا انہ لم یکن من عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ الا ھذا الاذان واللہ تعالٰی یقول "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"[138] انما الامر بالسعی للغائبین دون الحاضرین لاستحالۃ تحصیل الحاصل واللہ تعالٰی یقول "وَ ذَرُوا الْبَیْعَؕ"[139] وانما البیع والشراء کان فی الاسواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کان نداء للغائبین الی الصلوۃ ھذا ھو الاذان المصطلح شرعی و صلوۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیھا جھل لا یقاس ولا یمان و غیرہ یقول نعم کان الاذان علی عھد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ و علیھما وسلم فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ الاذان الاول کان ھو الاذان و بقی ھذا اعلاما للحاضرین و علیہ فرع مفرع منھم انہ لما کان فی الزمن

تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع "کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی" اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے دوڑپڑو" یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لیے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع وشراء چھوڑ دو بیع وشراء تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے ہی ہوتی تھی اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی، تو جب پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لیے

[138] القران الکریم ۶۲/ ۹

[139] القران الکریم ۶۲/ ۹

الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنه صار للانصات فناسب داخل المسجدلدی المنبر۔ **اقول:** و هذا ایضامن ابین الاباطیل و خلاف اجماع ائمتنا الکرام فاولاقد اجمعوا للجمعة اذانین و ثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامته علی المذهب و عللوه بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة کما فی الهدایه[140] وا ستشهد وا علیه باذان الجمعة قال فی الکا فی والتبیین والعنا یة والدرالمختار و غیرها فان تکرار الاذان مشروع فی الجملة کما فی الجمعة[141] الی هنامتفقون ثم قال فی الکافی فاماتکرار الاقامة فغیر مشروع اصلا[142] و فی التبیین دون الاقامة[143] وفی العنایة بخلاف الاقامة[144]	خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کامسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا مناسب ہوا **میں کہتا ہوں** کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علما کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔(۱) سارے ائمہ کااس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دو اذانیں ہیں۔(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ ہدایہ میں اس کی تصریح ہے،اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور در مختار میں ہے": اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے۔" یہاں تک کہ پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے،آگے کافی میں فرماتے ہیں؛"اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے؛"اقامت کا یہ حکم نہیں۔"عنایہ میں ہے: "بخلاف اقامت

[140] الهدایة کتاب الصلوة باب الاذان المکبة العربیة کراچی ۱/ ۴۷

[141] العنایة علی هامش فتح القدیر کتاب الصلوة باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰، تبیین الحقائق کتاب الصلوة باب الاذان دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۴۹

[142] البحرائق کتاب الصلوة باب الاذان تحت قول المصنف وکرہ اذان الجنب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[143] تبین الحقائق کتاب الصلوة باب الاذان دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۴۹

[144] العنایة علی هامش فتح القدیر کتاب الصلوة باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

ونظم الدر لمشر و عیة تکرارہ فی الجمعة دون تکرارھا[145] اھ۔ فلو لم یکن الثانی اذانا مثل الاول فاین التکرار۔ وثالثا صریح نص البحر فی البحر لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعة لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرار الاقامة اذھو غیر مشروع[146] اھ ورابعا لم تغیر الاذان عما کان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورة عن الاذانیة وکونہ اعلاما للغائبین ام لان امیر المومنین عثمن ھو الذی قطعہ عما کان الاول باطل اجماعا فما التثویب الا اعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعا منھم علی ان الاعلام مما یقبل	کے۔" اور در مختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار۔" پس اذان ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی۔ (۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر الرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی: "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعا جائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہوتی ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لے گا، البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔" (۴) اذان خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہوگئی تو اب اذان خطبہ کی ضرورت نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔ پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تو اعلام بعد الاعلام ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہا اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کردیا اعلام

[145] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴
[146] بحرا الرئق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

التکرار اذلو استحال لاستحال ان یکون مکروھا او حسنا وایضا کفی للرد علیه کلام البحر، والثانی اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیرالمومنین بدل و حرف سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم حاشاہ من ذلک نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنة کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعة وتبعه علیه المسلمون فی عامة البلاد واما ان یغیر واسنته فکلا، واجارھم الله تعالٰی عن ذلک الا تری الی ماقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ستة لعنتھم ولعنھم الله وکل نبی مجاب وذکر منھم التارک بسنتی رواہ الترمذی[147] عن ام المومنین عائشه رضی الله تعالٰی عنھا والحاکم عنھا وعن امیرالمومنین علی رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنھم بلفظ سبعة لعنتھم	تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہو سکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحر الرائق کا کلام ہی کافی ہے۔ دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ کر سکتے ہیں اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی انہیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا، آپ فرماتے ہیں: "چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی، اور اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ سبعة لعنتھم

[147] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱، المستدرک للحاکم کتاب الایمان ستة لعنتھم الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶، المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورة واللیل اذا یغشی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲۵

و کل نبی مجاب[148] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمن ضلا لۃ بتعلیمہ ولا ید ری المسکین ان نسبۃ تغییر السنۃ الی عثمن ھوالضلا ل البعید، ھذاوجہ و کفی بہ وجھاوجیھا الثانی حیث یسوغ الاعلام مکر را فمن ذا ا لذی اخبر کم ان عثمن قطعہ عنہ أأقرانی قطعتہ ام امرالموذن ان لا یتو بہ اوامر ہ ان یخففہ او یخفیہ ام تقولو ن علی عثمان مالا تعلمون ولا تعلمو ن انکم مسؤلو ن قال تعالٰی:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝" [149] الثالث حصول الا علام کان لا زم الاذان ان کان علی وجہ المعھو د علی عھد الرسالۃ فلا ینقطع عنہ الابا حدا ث فیہ یقعدہ عن الا علام السالف و کیف یظن ھذا بعثمن

و کل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کردیا۔کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افتراء کررہے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے: اس پر کان بھی نہ دھرو جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔" اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگر حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا کہ اس سے اعلام

[148] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۴۳

[149] القران الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فیه تقلیل الفائدة الشرعیة و ذلك انه رضی الله تعالٰی عنه احدث الاذان الاول لما کثرالناس فماذا کان یغیره هذا الثانی ان بقی علی ماکان علیه فی عهد الرسالة والخلافتین کی یسمعه من لم یسمع الاول کما تقدم عن البحر فالذی یزعم ان عثمٰن احدث فیه ماقطعه من کونه اعلاما یقول بملاء فیه ان عثمٰن غیر السنة و نقص الفائدة و نقض المصلحة فکان معاذ الله محض محادة للسنة و مضادة وان عدینا عنه. فادنی احواله ان لا فائدة فیه فیکون عبثا فی الدین والعبث کما فی الهدایه[150] حرام و یکون لغوا "وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ" [151]

نفحه ۷: تحرر ماتقرر ان بحث بقائه بعد لخصوص الانصات غیر محرر بل وقع مصادما للنص ولحرمة الصحابة والاجماع ائمتنا و نصوص فقهائنا فکیف یعرج علیه. بل کیف یحل ان یلتفت الیه

کا فائدہ ختم ہو جائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا، تو اذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور آجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کر دیتے، تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا ان پر الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے، ایک لغو فعل ہوا، اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے، وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ ۷: ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں بلکہ یہ نص، حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات۔

[150] الهدایة کتاب الصلوٰة فصل و یکره للمصلی المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۱۸

[151] القران الکریم ۲۳/ ۳

ولکن الر زیۃ من ترك نصوص مذھبه و تشبث بذلك البحث وتحمل كل مامر ثم زاد فی الشطر نج بغلة و هو ذلك تفریع الباطل انه اذن ناسب داخل المسجدلدی المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصیفی احوج الی ھذا الا علام من اهل الشتوی فانهم یرون الامام باعینهم فینصتون والقیاس علی الاقامة جهل فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما كان من نقص فلیكن فی الصف المؤخر رواه احمد[152] فی المسندو النسائی وابن حبان و خزیمة والضیاء كلهم فی صحاحهم بسند صحیح عن انس رضی الله تعالٰی عنه ولعمری ان ھذه ایضاكادت ان تكون سنة مهجورة والله المستعان فناسب كون الاقامة فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج الیه كماتری۔	لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیااور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پرایک تفریع باطل لگادی کہ لہٰذامناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو حالانکہ اس اذان کی غرض اسکان سامعین مان بھی لی جائے تواس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصہ صیفی وبیرونی صحن کے لوگ ہیں اندرونی دالان کے لوگ توامام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جولوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں اس اذان کواقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کامطلب تو جماعت کے لیے صف لگانے کا ہے اور صف کے لیے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کاحکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہلی مکمل کرو پھراس کے بعد پھراس کے بعد پھراس کے بعد اورجو کمی ہو توآخری صف میں ہو"اس حدیث کوامام احمد نے اپنی مسند،امام نسائی،ضیامقدسی ابن خزیمہ اورابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کردیا ہے توخلاصہ یہ ہواکہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے اوراذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

[152] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۲،سنن النسائی کتاب الامامۃ الصف المؤخر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱،موارد الظمآن باب ماجاء فی الصف للصلوۃ حدیث ۳۹۰ المکتبۃ السلفیہ ص ۱۱۴

۸:عدة طلبة حاولوا نقص كلية الائمة "لا يؤذن فى المسجد" بالاقامة فانها ايضا يقال عليها "الاذان" كما فى حديث بين كل اذانين صلوة لمن شاء[153] مع انها فى المسجد وفاقا. وجهلوا ان اطلاق الاذان عليها تغليب او عموم مجاز. قال الامام العينى فى عمدة القارى المراد من الاذانين الاذان والاقامة بطريق التغليب كالعمرين والقمرين[154] وفى المواهب اللدنية عن امام الائمة ابن خزيمة قوله "اذانين" يريد الاذان والاقامة تغليبا[155] قال الزرقانى لانه شرعا غير الاقامة[156] وفى العينى ثم المواهب اولا شترا كهما فى الاعلام[157] قال الزرقانى	**نفحہ ۸:** کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے "ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لیے نماز ہے جو پڑھنا چاہے" حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے تو فقہاء کا یہ حکم کلی نہیں رہا، اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے، ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیبا ہے یا بطور عموم مجاز امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کو عمرین کہا جاتا ہے" اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔ زرقانی میں ہے "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا "اقامت کو اذان اس لیے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

[153] صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۷

[154] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۰۷

[155] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱

[156] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[157] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۰۳

فلا تغلیب لان الاذن لغۃ الاعلام و فی الاقامۃ اعلام بدخول وقت الصلوۃ کالاذان فھو حقیقۃ اللغویۃ فی کل منھما[158] وما یقال فی تعلیل روایۃ مرجوحۃ مخالف للمذھب ان الاقامۃ احد الاذانین فھو کقولھم "القلم احد اللسانین[159]" ولذا فسرہ الامام النسفی بان کل واحد منھما ذکر معظم کما یفسر ھذا بان کلا منھما یعرب عما فی الضمیر، الم تر ماقدمنا من نصوص الھدایۃ والکافی والزیلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولا یشرع تکرار الاقامۃ الم تعلم مانصوا علیہ فی الکتب المذکورۃ جمیعا وغیرھا ان اذان الجنب یعاد، ولا تعاد اقامتہ[160] الم تسمع الی ما فی البحر عن الظھیریۃ لو جعل

دونوں شریک ہیں"۔زرقانی نے فرمایا"ان دونوں میں تغلیب نہیں اس لیے لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے توان دونوں میں عام وخاص کا فرق ہے اور دونوں کے لیے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔"ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین "اقامت دواذانوں میں سے ایک ہے اس کو جواس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دوزبانوں میں سے ایک ہے اسی لیے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی ما فی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ہدایہ،کافی، زیلعی،اکمل،دراور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں"انہیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ " جنبی کی اذان دہرائی جائے اوراقامت نہیں دہرائی جائے گی"۔بحرالرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا

[158] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ الباب الثانی کتاب الجمعۃ یوم الجمعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[159] فیض القدیر تحت الحدیث۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنك دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۳۶

[160] تبیین الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ وبحرالرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳، الھدایۃ باب الاذان ۱/ ۷۴ والعنایۃ علی ہامش فتح القدیر باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامة يعيد الاذان ولو جعل الاقامة اذانا لا يعيدلان تكرارالاذان مشروع دون الاقامة[161] وفيه عن المحيط لو جعل الاذن اقامة لا يستقبل ولو جعل الاقامة اذانا يستقبل[162] الخ۔ الى غير ذلك من مسائل باينوا فيهابين الاذان والاقامة۔ وبالجملة الالزام باجراء احكام الاذان طرا فى الاقامة شيئ لا يتفوه به من شم رائحة العلم، ولكن الجهل اذاتركب فهوالداء العضال۔ **نفحہ ۹: اقول:** وبالله التوفيق اعلم وفقنا الله تعالٰى واياك ان للمسجد اطلاقين احدهماموضع الصلوة من الارض الموقوفة لهاوهوالاصل وبهذا المعنى لا يدخل فيه البناء فان البناء من الاوصاف كالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔ وكذا الدكة والمنار والحياض والابار وان كانت فى حدوده بل فى جوفه اذابنيت قبل تمام المسجدية امابعده فلايجوز تغيير شيئ من الاوقاف عن هيئته الابشرط الواقف	تو اذان دہرائی جائے اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے تکرار اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے" اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کا فرق ہے ان سب اشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدار ادمی نہیں کرسکتاہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔ **نفحہ ۹:** اللہ تعالٰی ہم کو اور اپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے مسجد کی دو اطلاقات ہیں (ا) زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لیے وقف کیا گیا ہو مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف و حدود پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے، مینار یں، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت

[161] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[162] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

لحاجۃ الوقف و مصلحتہ فکیف بالمسجد فی براتہ و حریتہ و تمنعہ من حق عبدوخیرتہ.فی وقف الدر من احکام المسجدلو بنی فوقہ بیتا لامام لا یضر لانہ من المصالح امالو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتار خانیۃ فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[163] اھ. والاخرالارض مع البناء وھوالاصل مع الوصف فالبنیان کالجدران والبنیان داخل بھذا المعنی فیہ و علی الاول قولہ تعالٰی "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ"[164] اخرجہ الائمۃ احمدوالدارمی و الترمذی و حسنہ وابن ماجہ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم،وصححہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذارأیتم الرجل یعتاد المسجد	کے لیے اس کی شرط لگائی ہو تواور بات ہے اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے:"اگر مسجد کے اوپرامام مسجد کے لیے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے لیکن مسجد مکمل ہو گئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی،اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔"تاتار خانیہ میں ہے" جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہواس کو بھی ڈھادینا چاہیے" **(ب)** اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے،تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالٰی کے فرمان انما یعمر مساجداللہ من اٰمن باللہ (مسجدیں اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔امام احمد،دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا،اور ترمذی نے حسن کہا۔ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:"جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

[163] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[164] القران ۹/ ۱۸

فاشھدوا لہ بالایمان[165] قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ[166] فعمار تھابا لصلوۃ فیھا لولم یکن ثم بناء کا لمسجد الحرام فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فماکان الا ارضا حول الکعبۃ مخلاۃ للطواف۔ وعلی الا خر قولہ عزوجل " لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ"[167]، فما الھدم الا للبناء۔ بل لاطلاق الثالث یشمل الفناء ولھذا جاز للمعتکف دخولہ ولا یعد بہ الامعتکفا فی المسجد فی البدائع ثم رد المحتار لوصعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف	اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ "مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنٰی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: لھدمت صوامع وبیع (تو البتہ یہود ونصاری) کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔ (ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے بدائع اور شامی میں ہے: معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

[165] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمۃ الصلوۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳، ۲۱۲، موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبۃ السلفیۃ ص۹۹، صحیح ابن خزیمہ باب الشھادۃ بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۹

[166] القران الکریم ۹/ ۱۸

[167] القران الکریم ۲۲/ ۴۰

وانکان بابھا خارج المسجدلانھامنه لانه یمنع فیھامن کل ما یمنع فیه من البول و نحو ہ فا شبه زاویة من زوایا المسجد [168]۔وعن ھذا تسمع الناس یقولو ن قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلاوان کانت واقعة خارج المسجدو ھذا محاورۃ سا ئغة شا ئعة عر باو عجما۔ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد،وعلی ھذا نظا ئر قول ابن مسعو د رضی اللہ تعالٰی عنه ان من سنن الھدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤ ذن فیه روا ہ مسلم [169]۔ وقول الفقھاء کر ہ خر وج من لم یصل من مسجد اذن فیه [170]۔اذا علمت ھذا فا علم ان الاذان انمایکر ہ فی اصل المسجدلا فی وصفه ولا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین ألا تر ی الی ماقد تلو نا علیك من نصوص الا ئمة کیف نھوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة و فنا ء ہ والحدود بمر ای منك حدیث الاذان علی باب

ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے،تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا"اسی لیے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاروہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذان منارہ کو سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو اپ نے فرمایا تھا"جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنت ہدی ہے" (مسلم)۔اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے"

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے وصف مسجد میں نہیں۔اور تبع مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے "کان

---

[168] رد المحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف دار احیاء التراث العرابی بیروت ۲/ ۱۳۲

[169] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوۃ الجماعة و بیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[170] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

المسجد،واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد اللہ ابن زید الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا [171] الحدیث وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی [172] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد اوبابہ [173] وبماقررنا وللہ الحمد تبنیت فوائد،الاولی یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت ھذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناھا قبل تمام المسجدیۃ لان ذلک یبقی مستثنی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوھا کما اذا اعد فیہ موضعا للوضوء وکذا اذا کنت بئر اوحوض مثلا فی فناء المسجد	الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا" دوسری حدیث میں انہیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث) مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرائے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔" ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی گگری پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر رہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو وجہ اس کی یہ ہے وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنٰی ہیں تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کرسکتے ہیں، ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لیے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

[171] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۱

[172] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۱

[173] المدخل فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

فزید المسجدواحا ط بھا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونھا اذذاك قبل المسجدیۃ ابین و اظھر امابعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولامنارۃ ولابئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر[174] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ ھذامانص علیہ علماؤنا انہ لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمۃ تترك کبئر زمزم[175] اھ خانیۃ و ھندیۃ وغیر ھماو تمام تحقیق المسا لۃ فی جد الممتار تعلیقا تنا علی رد المحتار و قا ل فی الا شباہ والنظا ئر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والو ضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعدلذ لك لایصلی فیہ او فی انا ء[176] اھو نحوہ فی الدر۔قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ"الا فیما اعدلذلك"انظر ھل یشترط	صحن میں کوئی حوض تھا کنواں تھا مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جب کہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے،ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم در مختار سے نقل کرائے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے"ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا،پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے جیسا زمزم کا کنواں خانیہ،ہندیہ وغیرہ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ در مختار وشامی میں ہے اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے" مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لیے مقرر ہو تو اور بات ہے"ایسا ہی در مختار میں ہے۔امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الاما اعد لذ لک پر فرمایا:"یہ امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لیے جگہ

---

[174] الدر المختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[175] فتاوی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱،خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۷

[176] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القران کراچی ۲/ ۲۳۰

اعداد ذلك من الواقف ام لا[177] وکتبت فی جد الممتار اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وھوان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعدہ لیس له ولا لغیرہ تعریضه للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتا لسکنی الامام[178] اھ ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجدا موانع اخری فانھا تشغل موضع الصلوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله اللہ ومن قطع صفا قطعه اللہ ۔رواہ احمد وابو داؤد[179] والنسائی وابن خزیمه والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال العلامة القاری فی المرقاۃ	مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں" میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا یہ شرط تو ضروری ہے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لیے یہ جگہیں متعین کرے مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لیے پیش کرتا ہے۔میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لیے کوئی گھر نہیں بنا سکتا" مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لیے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلا اس کی وجہ سے نماز کی جگہ جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے "جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالٰی اسے رحمت سے دور کریگا" (احمد،ابو داؤد،ابن خزیمہ،اور حاکم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے

[177] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[178] جد الممتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[179] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷،مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸،المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه)ای بالغیبة او بعدم السداو بوضع شیئ مانع[180] وقد نهی العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوه بانه یشغل مکان الصلوة کما فی الخانیة و خزانة المفتین والهندیة و غیر هاواما اباحته لتقلیل النز اذا کانت الارض نزة لا یستقر اسا طینها فللضرورة والضرورات تبیح المحظورات قال فی البحر فیغرس لیجذب عروق الاشجار ذلك النز فحینئذ یجوز،والا فلا[181] ومثله فی الظهیریة والبزازیة و غیر هما قال فی منحة الخالق:وفی قوله"الا فلا" دلیل علی انه لا یجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاؤه فیه لغیر ذلك العذر ولو کان المسجد واسعا کمسجد المقدس الشریف ولو قصد به الاستغلال او تجویز ابقاء ذلك بعد احداثه ولم یقل بذلك احد بلا ضرورة داعیة ولان فیه ابطال	مرقاۃ میں "قطعہ"کامطلب یہ تحریرفرمایا کہ صف سے غائب ہو کر یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو علمائے کرام نے، مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ایسا ہی خانیہ خزانۃ المفتین وغیرہما میں لکھا ہے اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لیے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں بحرالرائق میں ہے:"مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں"ایسا ہی ظہیریہ وبزازیہ وغیرہ میں ہے۔منحۃ الخالق میں بحر کے قول"والا فلا"پرفرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دکان بنانے کی راہ کھلے گی اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہوگی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

[180] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۷۹/۳

[181] بحر الرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراهة فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۳

ما بنی المسجد لا جله من صلوة و اعتکاف ونحوهما وقد رایت فی هذه المسالة رسالة بخط العلامة ابن امیر الحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلك فی المسجد الاقصی، ورأیت فی اخرها بخط بعض العلماء انه وافقه علی ذلك العلامة الکمال ابن الشریف الشافعی[182] اھ

وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغیره من نظر هذه الکلمات الشریفة بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیه شغل محل منه لغیر ما بنی له سواء کان بیتا او حانوتا او دکة او منارة او غاسلا او خزانة او بئرا او حوضا او شجرا، أو، أو، أو الخ وعنیت به المسجد بالمعنی الاول۔

وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل ومن هذا الباب ایضا ما احدثوه فی المسجد من الصنادیق المؤبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمین[183] قال ومن هذا الباب الدکة التی یصعد علیها المؤذنون للاذان یوم الجمعة بل هی اشد من الصنادیق اذ یمکن نقل

اصلی غرض فوت ہوگی اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔

میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ خزانہ ہو یا گودام کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔

امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لیے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[182] منحة الخالق حاشیة بحر الرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراہة فی الصلوة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۵

[183] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

الصنا دیق ولا یمکن نقلها [184] قال ومن هذا الباب ایضا اعنی فی امساك مواضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بها اتخاذ هذا المنبر العالی فانه اخذ من المسجد جزاء جیدا وهو وقف علی صلاة المسلمین [185] اھ ملتقطا فرحم الله من نص ورحم الله من قبل۔	یہ ناممکن ہے اور اسی قسم یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف تھی ملخصا (اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے۔
الثانیة[2] المراد فی قول الکافی انه ذکر فی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فالخطبة فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الکون فی المسجد وان تفرق المحل وفی قول الغایة والفتح الکراهة الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقة النظر لیس ما ذکر تأویل لکلامه بل تبیین لمرامه اذلیس فیه صرف عن ظاهره والله تعالٰی الموفق۔	**(۲)** امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرا فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے تو اس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اور اذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو اور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لا یوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے تو دقت نظر سے یہ پتا چلے گا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے
الثالثة[3]، المراد فی قول	**(۳)** اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[184] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

[185] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۶

ابن مسعو د رضی اللہ تعالٰی عنه وقول الفقهاء الماربن العنیان الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حد ثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیه ثو بین اخضر ین فقام علی المسجد فاذن[186] الا ترا ہ یقول قام علی المسجد، ولو ارادالمعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحته روایة ابی بکر بن ابی شیبة الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقا ل یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قائم وعلیه بردان اخضران علی جذمة حائط فاذن[187] الخ

قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہاء کے اقوال جو ذکر کئے جاچکے مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں ابی داؤد اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے عبد الرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دی" اس روایت میں لفظ قام علی المسجد ہے اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو قام فی المسجد کہتے اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبد اللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا"

[186] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۲۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۶

[187] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۱۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۵، کنز العمال بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان حدیث ۲۳۱۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۳

ولسعید ابن منصور فی سننه عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھتم للصلوۃ کیما یجمع الناس لھا فانصرف عبد اللہ بن زید فرای الاذان[188] الحدیث وتقدمت روایۃ سور المسجد وسطح المسجد۔	اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے اس روایت میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔
الرابعۃ۴: المعنی الثالث ھو المراد فی فرع الخانیۃ والخلاصۃ ولاباس بان یتخذ فی المسجد بیتا یوضع فیه الحصیر و متاع المسجد به جرت العادۃ من غیر نکیر[189]، اھ ومن الدلیل علیه حدیث التعارف فانه المتعارف او بناؤہ قبل تمام المسجدیۃ اما ان یتم المسجد ثم یاخذ احد قطعۃ منه فیجعلھا بیت البواری فلم تجر به العادۃ ولا یحل السکوت	(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت "اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس لیے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لیے

[188] کنز العمال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/ ۳۳۶

[189] فتاوی قاضیخان فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

علیہ۔

الخامسۃ۵.قال فی جامع الرموز لھا یوذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم لکن فی الجلابی یوذن فی المسجد او ما فی حکمہ لا فی البعید منہ[190] اھ فمراد النظم المعنی الاول ومراد الجلابی المعنی الثانی فالمعنی یوذن فی حدود المسجد کما فسر بہ الامامان کلام الکافی او ما فی حکمہ ای فی فنائہ فان فناء المسجد لہ حکم المسجد کما فی الھندیۃ عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد[191] ومثلہ فی کتب کثیرۃ ذکرناھا فی جد الممتار فلا استدراک بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القھستانی الا تری ان العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایۃ ما فی القھستانی

بنایا جائے نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔

(۵) جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینامکروہ ہے ایسا ہی نظم میں ہے لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فناء مسجد مسجد کے حکم میں ہے ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں جیسا کہ قہستانی نے سمجھا حضرت امام طحطاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

---

[190] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[191] فتاوی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۲

عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علما منہ بان الاستدراک مستدرک لایبتغی نقلا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولولم یکن ھذا لکان ذکر جامع الرموز بمقابلہ تلک المعتمدات العظیمۃ بل ما تفرد بہ الجلابی بازاء ما اتفق علیہ اولئک الاکابر الاجلۃ مما ینبغی ان یستحی منہ فانہ لو فرض لکان خلافا لا اختلافا وقد تقرران الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔	چھوڑ دیا اور اگر نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستابی کا یہ قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتوی حکم جہل اور خرق اجماع ہے اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔
نفحہ ۱۰: اذلم یقدروا علی شیئ تعلق بعض الوھابیۃ بما فی	**نفحہ ۱۰:** جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ عـــہ اور

عـــہ: خانیہ کی عبارت یوں ہے: ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد[192] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوئی تو گر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے اور دوسرا جملہ (لایوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لایوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی۔

[192] فتاوی قاضی خاں کتاب الصلوۃ مسائل الاذان نولکشور لکھنو ۱/ ۳۷

نص الخانية والخلاصة من لفظ "ينبغي" يريد به ان الامر سهل لا يعتنى به انت ترى عامة النصوص عرية عنها ثم لم يدخل على "لا يوذن فى المسجد" الا ترى ان البحر نقله عن الخلاصة هكذا ولم يلتفت الى "ينبغي" فى الجملة الاولى۔ ثم استعماله فى الندب اصطلاح المتاخرين وهو فى كلام المشائخ اعظم كما فى ردالمحتار وغيرها قال هو فى القران كثير: ماكان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء۔۔۔قال فى المصباح ينبغي ان يكون كذا معناه يجب او يندب بحسب ما فيه من الطلب[193] ثم ندبه يقابل الوجوب ويعم الاستنان، وامر السنة ليس بهينين بل ربما جاء "ينبغي للوجوب	خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اولا دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لایؤذن فی المسجد پر داخل نہیں خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولی میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ **ثانیا** لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسا قران عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ماكان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں) مصباح المنیر میں ہے ینبغی کے معنی وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں۔ **ثالثاً**: اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسااوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

[193] ردالمحتار كتاب الجهاد لفظ "ينبغي" يستعمل فى المندوب الخ دار احياء التراث العربى بيروت ۳/ ۲۲۴

"کقول الهدا یة والکنز وغیر هما"من حلف علی معصیة ینبغی ان یحنث[194]"فان الحنث واجب قطعا و قول الهد ایة و کثیر ین"ینبغی للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلو ولا یمثلوا[195]"اهمع ان ترك الغدر والغلول فر یضة فانهما حرام و کذا المثلة قال فی الفتح قوله و ینبغی للمسلمین ای یحر م علیهم ان یغدروا او یغلوا ویمثلوا اه[196]وقول القدوری والهدا یة وغیرهما ینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیو م التاسع والعشر ین من شعبان[197]قال المحقق فی الفتح ای یجب علیهم وهو واجب علی الکفایة[198]اه قال فی الجوهرة النیره ای یجب[199]الخ وقال فی القنیة فاستحسان القاضی الصدر الشهید	ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے"۔ یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں، مال غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں"۔ یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں"۔ اسی طرح امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے"۔ اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے قاضی صدر الشہید کے استحسان

[194] الهد ایہ کتاب الا یمان باب ما یکو ن یمینا الخ المکتبة العر بیة کراچی ۲/ ۴۶۲، کنز الد قائق کتاب الا یمان باب ما یکو ن یمینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵

[195] الهدا یة کتاب السیر باب کیفیة القتال المکتبة العر بیة کراچی ۲/ ۵۴۱و۵۴۲

[196] فتح القدیر کتاب السیر باب کیفیة القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۱

[197] المختصر للقد ر وی کتاب الصو م ص ۵۶ والهدا یة کتاب الصو م المکتبة العر بیه کراچی ۱/ ۱۹۳

[198] فتح القدیر کتاب الصو م فصل رویة الهلا ل المکتبة النوریة الر ضویة بسکھر ۲/ ۲۴۲

[199] الجو هرة النیر ة کتاب الصو م مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶۷

ینبغی للاخ من الرضاع ان لا یخلو باختہ من الرضاع لان الغالب ھناك الوقوع فی الجماع [200] افاد العلامۃ البیری ان "ینبغی" معناہ الوجوب ھنا [201] (الشامی) وکم لہ من نظیر۔ ثم ان کان ھو ظاھرا فعارضہ فی نفس الکلام ظاھر اخر وھو النھی بصیغۃ الاخبار فانہ غالبا فی کلامھم لایجاب الفعل والترك الا ان یصرف صارف قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ صفۃ الصلوۃ مسئلۃ القراءۃ فی الاخریین ظاھر قول المصنف 'لا یزید علیھما شیئا' یشیرالی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھما [202] اھ وفی عید الغنیۃ الایری الی قولہ لا یترك واحد منھما فانہ اخبر بعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب [203]	میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے اھ۔علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔ **رابعًا** پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموماً وجوب فعل یا وجوب ترک کے لیے ہوتی ہے امام ابن الامیر الحاج نے "باب صفۃ الصلوۃ" مسئلہ قراءت میں فرمایا مسئلہ قراءت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لا یزید علیھما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قراءت مباح نہیں اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لا یترك واحد منھما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے، اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔"

[200] القنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراہیۃ والاستحسان باب فی الخلوۃ باجنبیۃ مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۶

[201] رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

[202] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[203] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ العید سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامة البحر الرائق: قوله فان فعلن تقف الامام وسطھن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلو تقدمت اثمت کماصرح به فی فتح القدیر[204] وفی حاشیة العلامة الخیرالرملی علی البحر ثم منحة الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی (اذا جیئی بجنازة بعد الغروب بدؤابالمغرب ثم بھا ثم بسنة المغرب[205] اھ) الظاھران ذلك علی سبیل الوجوب لتعلیلھم بان المغرب فرض عین والجنازة فرض کفایة ولان الغالب فی کلامھم فی مثله ارادة الوجوب تامل[206] اھ وقال العلامة السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر: و فیھا (ای فی النھایة) ولا یفعل (ای الدھن) لتطویل اللحیة اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدھن لھذا القصد یکرہ تحریما لانه یفضی الی المکروہ تحریما ولا کان مکروھا تنزیھیا

بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت کریں توامام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرناواجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے توامام آگے بڑھ کر کھڑی ہو توگنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے" حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسیجابی کے قول "جنازہ غروب آفتاب کے بعدلایاگیا توپہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں اداکریں" پر تشریح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ داڑھی جب بقدر سنت لمبی ہوتو زیادہ بڑھانے کے لیے تیل نہیں لگاناچاہیے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانامکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہ تحریمی کاذریعہ بنے گااور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتاتواس کو لفظ لایفعل

[204] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱
[205] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲
[206] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۳

لما عبر بقوله ولا یفعل[207] فظاھر ناھذا غیر معارض من نصوص الاسبیجابی والمجتبی والبنایۃ والاتقانی وفتح القدیر۔

ثم ثمہ ظاھر اخر غیر معارض ھناك وھواطلاق الکراھۃ فی النظم وشرح النقایۃ و حاشیۃ مراقی الفلاح وغایۃ البیان وفتح المحقق حیث اطلق فانھا کما عرف فی محلہ اذا اطلقت کانت ظاہرۃ فی التحریم الابصارف وقال سیدی العارف باللہ العلامۃ عبد الغنی فی الحدیقۃ الندیۃ من آفات الید مانصہ۔ و الکراھۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیھیۃ لا التحریمیۃ بخلاف مذھبنا[208]۔اھ

ثم فیہ اساءۃ ادب بالحضرۃ الالھیۃ کما یاتی فی الشمامۃ الثالثۃ بعون اللہ تعالٰی فیجب التحرز عنہ۔

ثم المعروف من عادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترك الفضیلۃ احیانا بیانا للجواز ولم یؤثر قط اذانا فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی

سے منع نہ کرتے "اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)

خامسًا: یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔"

سادسًا: مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

سابعًا: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کردیتے تھے جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر رہونا ثابت نہیں تو یہ

---

[207] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[208] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الانصاف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریما او ان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دار بین کراهتین مکروه قطعا او یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة والله سبحنه ولی الهدایة۔	سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ و کراہت تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقاً مکروہ ہے اور اہل عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

الشمامۃ الثالثۃ من مسک القران العظیم

(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ۱: اخرناھا الی ھنا لیکون "خِتٰمُهٗ مِسْكٌؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَؕ۝۲۶" [209]۔ قال اللہ عزوجل: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝۲ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰىؕ"	**نفحہ۱:** ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اسے لیے مؤخر کیا کہ اس کو اختتام مشک قران سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے اے ایمان والو نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے

[209] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶و۲۷

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾" [210] ارشدنا القران الكريم الى ادب حضرة الرسالة وانه لا يجوز رفع الصوت فيها و اوعد عليه الوعيد الشديد ان فيه لخشية حبط الاعمال والعياذ بالله تعالى و ندب الى غض الصوت عنده ووعد عليه الوعد الجميل مغفرة من الله واجر عظيم۔

ولا شك ان ليس ذلك الا لهيبة المقام واجلال صاحبه صلى الله تعالى عليه وسلم فالحضرة الالهية احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل يقول "وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾" [211] وما المصلى الا حضرة العلى الاعلى عزوعلا وتبارك وتعالى فلعمرى لو يتذكر الناس حين حضورهم المساجد قيامهم بين يدى ربهم عزوجل يوم القيامة واستحضر واعظمة المقام وتفطنوا اين هم و بين يدى من هم لخشعت الاصوات للرحمن فلا يكاد يخرج صوت الا من اذن له الرحمن وقال صوابا كالقارى و

ان لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالٰی نے دربار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لیے ہے (صلی اللہ تعالٰی وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوایں سہمی ہوں گی اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے۔

"مسجد اللہ تبارک وتعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے

[210] القران الكريم ۴۹/ ۲و۳

[211] القران الكريم ۲۰/ ۱۰۸

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد به الاذان ان لاتسمع الا همساولذا اتت الاحادیث عــہ تنهی عن رفع الصوت فیها:	اسی لیے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔

عــــہ: وللبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عالی عنه کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یکره العطسة الشدیدة فی المسجد[212]،وفی البحر الرائق وغیره:قالواولا یجوز ان تعمل فیه الصنائع لانه مخلص لله تعالٰی فلا یکون محلا لغیرالعبادة غیرانهم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه مصلحته من دفع الصبیان وصیانة لمسجدلاباس به للضرورة ولا یدق الثوب عند طیه دقا عنیفا[213] انتهی وماذا عسی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیه عندطیه یستوی وقد نهوا عنه۔وکذلك من یعرف الادب ولا دین لمن لا ادب له نسال الله حسن التوفیق منه عفی عنه۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہٰذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جوانھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد میں مصلحت کے لیے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لیے تو اس ضرورت کے تحت اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں اور وہ کپڑوں کو تہہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی اور بسا اوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے اواز پیدا ہو جاتی ہے جس سے انہیں منع کیا گیا ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں (ت)

[212] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت باالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیه بیروت ۷/ ۳۲

[213] بحرالرائق کتاب الصلوة فصل لمافرض من بیان الکراہیة فی الصلوة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱)ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم[214]	ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو"
(۲)وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیهقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنهم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم[215]	ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انہوں نے واثلہ سے اور ابوالدردا اور ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"
(۳)عبد الرزاق فی مصنفه قال حدثنا محمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبد اللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصوتکم وسل سیوفکم وبیعکم و شرائکم واقامة حدودکم و خصومتکم[216]	(۳) عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبد ربہ ابن عبد اللہ مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور اواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

[214] سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب یکره فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[215] کنز العمال بحواله عدوطب و ق و کر عن مکحول عن واثله وابی الدرداوابی امامه حدیث ۲۰۸۳۴ ۷/ ۶۷۰، تاریخ دمشق الکبیر ترجمه العلاء بن کثیر ۵۵۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/ ۱۵۴، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۵۶/۸

[216] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبة الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۲ - ۴۴۱

(۴)والامام ابن المبارك عن عبيد الله بن ابی حفص يرفعه الی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم قال:من اجاب داعی الله واحسن عمارة مساجد الله كانت تحفته بذلك من الله الجنة قيل يارسول الله ما احسن عمارة مساجد الله قال لايرفع فيها صوت ولا يتكلم فيها بالرفث[217]	(۴)امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"
(۵)امام مالك والبيهقی عن سالم بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه بنی الی جانب المسجد رحبة فسماها البطيحاء فكان يقول من اراد ان يلغط و ينشد شعرا او يرفع صوتا فليخرج الی هذا الرحبة[218]	(۵)امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"
(۶)والامام ابن المبارك وابراهيم بن سعد فی نسخته عن سعيد بن ابراهيم عن ابيه قال سمع عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه صوت رجل فی المسجد فقال اتدری اين انت	(۶)امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو

[217] کنز العمال بحوالہ ابن مبارك عن عبيد الله حديث ۲۰۸۴۱ مؤسسة الرسالہ بيروت ۷/ ۶۷۱

[218] مؤطا امام مالك كتاب قصر الصلوة فی السفر باب جامع الصلوة میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۲

اتدری این انت کرہ الصوت[219]
وقد تقبلھا ائمہ الامۃ بالقبول حتی ان فقھائنا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد با لذکر الا للمتفقھۃ کما فی الدر المختار[220] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنک بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الھدایۃ فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی ما لا یخفی انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر[221] اھ
وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز" یستقبل بھما القبلۃ و یلتفت یمینا وشما لا با لصلاۃ والفلاح لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالواحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی

کہاں ہے آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔"
اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے توجب ذکر الٰہی کا یہ حال ہے تواذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا"اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے توجواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں اسی کا لحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔"
کنز کے قول"کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں" کی تشریح میں بحرالرائق نے محیط سے نقل کیا"اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اوراس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

[219] الزہد لابن المبارک باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷
[220] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳
[221] البنایہ شرح الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۵۵۷

الصلوة واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین "اھ۔[222] وفی صلوة المسعودی رحمه الله تعالٰی: ان فی الاذان مناجاة ومناداة المناجاة ذکر الله تعالٰی والمناداة نداء الناس ومادام فی ذکر الله یستقبل القبلة واذا بلغ المناداة یحول وجهه ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمه الله تعالٰی الدعاء الی الصلوة مناداة و باقیه ذکر الله تعالٰی لکن ظاهر الروایة ان الاذان کله من اوله الی اخر دعاء الی الصلوة ثم قال ظاہر الروایة ان الموذن اذاقال حی علی الصلوة، یقول المستمع لا حول ولاقوة الا بالله فاذاقال حی علی الفلاح ویقول المستمع "ما شاء الله کان وما لم یشا لم یکن" قال شیخ الاسلام برهان الدین رحمه الله تعالٰی ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان فاذا جاء نداء الخلق یعود فاذاقیل "لا حول ولاقوة الا بالله	تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو"۔ صلوۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی مناجات اللہ تعالٰی کا ذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور جب بلاوہ پر پہنچتا ہے تو اپنا چہرہ گھماتا ہے پھر شیخ ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینا منادات ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اول سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے پھر فرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب "حی علی الصلوۃ" کہے تو سننے والا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہے اور جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تو سننے والا کہے "ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن" شیخ الاسلام برھان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو ندا کرتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے پھر جب کہا جاتا ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ

[222] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۸

ماشا اللہ کان "یفر"[223] انتھی ملتقطا مترجما۔ واذا کان ذلك کذلك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النھی وھو المقصود۔

نفحہ۲: نسمع ربنا تبارك و تعالٰی یعا تب قو ما اذیقول عز من قائل "اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً"[224]۔ وقال عزوجل "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"[225] ولقد علم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قوم خارج الحضرۃ وامر الملك بدعائھم لم یکن للحجاب ان ینادوھم فی الحضرۃ بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء لاساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب ومن لم یر الملوك فینظر قضاۃ بلادنا کفارھم ومسلمو ھم اذا امر وابنداء الخصوم اوالشھو دلم تقدر الاعوان ان

ماشاء اللہ کان" تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے انتہی التقاط مترجماً۔ پس جب صورت حال یہ ہے اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تو اذان مسجد ممنوع ہوگی ہمارا یہی کہنا ہے۔

نفحہ ۲: اللہ تبارک وتعالٰی ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے، "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔" اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالٰی سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو دربان دربار کے اندر سے ہی اسے پکارنے نہیں لگتے بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

[223] صلوٰۃ المسعودی باب بست ویکم دربیان بانگ نماز در مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰
[224] القرآن الکریم ۴/ ۷۷
[225] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

ینا دوھم فی دارالقضا ء بل یخرجون خروجا فیدعون وھذامشھو دکل یو م ومن انکر کونہ اساءۃ ادب فلیجرب علی نفسہ ولیقم بین یدی حا کمھم المسمی عندھم جج۔ویر فع صو تہ بیا فلان یا فلان لنا س خارج المکان فسیر ی ما یبدل البیان با لعیان وماذلك الالادب المقام وخشیۃ الحکام "فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡہُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴿۱۳﴾ "[226] کیف ان امثال الامور البنیۃ علی الا جلا ل۔المبنئۃ من الا دب انما تحال علی الشاھد فیما لم یرد بہ النص،و الشاھد ھھنا ماذکرنا فو جب المصیر الیہ و کان نداء الغائبین قائما فی حضر ۃ المصلی اسائۃ ادب بالحضرۃ الا علی وقلۃ خشیۃ من اللہ تعالی۔ اماماقلنامن الاحا لۃ علی الشاھد فشیئ یشھد بہ العقل السلیم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواھدہ کثیر ۃ فی کلام الا جلۃ الا کابر من ذلك قول الامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر :الثابت ھو وضع	مدعاعلیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انہیں کچھری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہرا کر پکارتے ہیں یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور جواس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے تو ہمارا بیان اس کے لیے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا تو اس کا سبب کچھری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے پس اے ایمان والو ! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور اس قسم کے امور تعظیم واظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیے اور غائب مصلیوں کو مصلی کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیے۔" ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظریں مل سکتی ہیں چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے"

[226] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

الیمنی علی الیسر ی و کونہ تحت السرۃ اوالصدر کماقال الشافعی لم یثبت فیہ حدیث یوجب العمل فیحال علی المعھو د من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھو د فی الشاھد منہ تحت السر ۃ[227] ومن ذلك قولہ ایضاواستحسنہ تلمیذہ المحقق ابن امیرالحاج الحلبی جدامانصہ لا اری تحریر النغم فی الدعاء کمایفعلہ القراء فی ھذا الزمان یصدرمن فھم معنی الدعاء والسوال وماذلك الانوع لعب فانہ لو قدر فی الشاھد سائل حاجۃ من ملك ادی سوالہ بتحریر النغم فیہ من الرفع والخفض و التغریب والرجوع کا لتغنی نسب البتۃ الی قصد السخریۃ واللعب اذ مقام طلب الحاجۃ التضرع لا التغنی[228] اھ۔	(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھاجائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیساکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کامذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو تواس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنامعلوم و مشہور ہو وہی اختیار کیاجائے اور یہ زیر ناف ہے۔ انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کی شاگرد ابن امیرالحاج نے تحسین بھی کی ہے دعامیں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیساکہ آج کل کے قاری کرتے ہیں اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھاجائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کررہا ہواپنے سوال کو گویوں کی طرح گاکرآواز کی بلندی اور پستی گٹکری اورآواز کی آرائش کے ساتھ مانگے توایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح وزاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

[227] فتح القدیر کتاب الصلوۃ صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۹

[228] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۲۲

قال فی الحلیة وقد اجاد رحمه الله تعالٰی فیما اوضح و افاد[229]، اھ	حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح وافادہ فرمایا۔
ومن ذلك اشیاء فیه وفی الحلیة والغنیة وغیرھا قلت ارشد الیه حدیث"استحیی الله استحیاءك من رجلین من صالح عشیرتك رواه ابن عدی[230] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔"	اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو "اس حدیث کو ابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔
وحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الله احق ان یستحی منه من الناس۔"رواه احمد[231] وابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن معاویة بن حیدة رضی الله تعالٰی عنه۔	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے "اللہ تعالٰی کو اس کا زیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔"اس حدیث کو احمد وابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور نسائی اور ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

[229] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[230] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن الزبیر الشامی دار الفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[231] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱، سنن ابن ماجۃ کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۹، سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

وحدیث "اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من یزین لہ" روا ہ الطبرانی[232] فی الاوسط والبیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و قد او ضحہ ابن عمر اذ کسانافعاثوبین وھو غلام فدخل المسجد فو جدہ یصلی متوشحابہ فی ثوب فقال ألیس لك ثوبان تلبسھما؟ ارایت لوانی ارسلتك الی وراء الدار لکنت لابسھما؟ قال نعم قال فاللہ احق ان تتزین لہ ام الناس فقال بل اللہ رواہ عبدالرزاق[233] عن نافع۔

اور یہ حدیث: "نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لیے زینت وارائش کا سب سے زیادہ حق ہے" اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انہوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انہیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لیے پورا جوڑا نہیں ہے اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام لے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر؟ حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لیے زینت کی جائے حضرت نافع کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالٰی۔ اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔

نفحہ ۳: قال المولی تبارک وتعالٰی

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَاؕ

نفحہ ۳: اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو

[232] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰، السنن الکبری کتاب الصلوۃ باب ما یستحب للرجل ان یصلی فیہ من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن ۲/ ۲۳۶

[233] المصنف لعبد الرزاق کتاب الصلوۃ باب ما یکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ "[234] نھی الله سبحنه عن دخول الانسان فی بیت غیر ہ بغیر اذنه (تسانسوا ^{عـــہ} تستاذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعو د رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان بیوت الله فی الارض المساجد	یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا "روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

عـــہ: فی الایة امران الاستیذان والسلام، فالاستیذان فی المساجد کمانبین، اما السلام فاقیم مقامه السلام علی حبیبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه حاضردائما فی حضرته فامر کل من یدخل مسجدا او یخرج منه ان یقول بسم الله والحمدلله والسلام علی رسول الله [235] الی اخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحة شھیرة کثیرة ۱۲ منه۔	آیت کریمہ میں دو ۲ امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے اس لیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے "بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ (ت)

[234] القران الکریم ۲۴/ ۲۸،۲۷

[235] الکتاب المصنف لابن ابی شیبه حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیه بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[236] (رواہ ابو بکر بن شیبۃ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ)	کی تکریم فرمائے گا۔"ابو بکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔
وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[237]	اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابو قرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لیے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے جنت میں گھر بنادیا۔"
وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کما یکون برفع المقید کذلك برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا (رواہ احمد ومسلم[238] وابو داؤد وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ	اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا اسی نکتہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں "امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد،

[236] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱

[237] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

[238] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کراھیۃ انشاد الضالۃ فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ) هم جميعا عن بريدة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاوجدته لاوجدته لاوجدته انما بنيت هذه المساجد لما بنيت له[239] ولعبد الرزاق عن ابی بكر بن محمد انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجلا ينشد ضالة فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ايها الناشد غيرك الواجد ليس لهذا بنيت المساجد[240]۔ والاحاديث فی الباب كثيرة و هو بعمومه يشمل من ينشد مصحفا ليتلوه بل ومن ينشد امانة ضلت عنه مع ان انشادها واجب عليه" اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔ مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس الفاظ میں روایت کیا: "تواسے نہ پائے تواسے نہ پائے تواسے نہ پائے مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں، وہ توجس کے لیے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔ عبد الرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہیں۔" اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھوجانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے

[239] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضالہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[240] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۲ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۰

اِلٰٓی اَھْلِھَا" [241]۔ فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب، مقدمة الواجب واجب، وكذلك عمم الفقهاء فقالوا كره انشاد ضالة، ولم يستثنوا منه فصلا وذلك ان اتيان الواجب ان كان من اعمال الاخرة فما لكل عمل الاخرة بنيت المساجد انما بنيت لما بنيت له احمد ومسلم عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من القذر والبول والخلاء وانما هی لقرائة القران وذكر الله والصلوة [242]" وللبخاری وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما بنی لذكر الله والصلوة [243] ولاحمد فی الزهد عن ابی ضمرة عن ابی بكر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انما بنیت للذكر [244]۔	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو" تلاش پانے کا مقدمہ ہے اور پانا دینے کا ذریعہ، اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا اور کسی خاص گمشدہ کا استثنا نہیں کیا اس کا رمز یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہرچند کہ عمل آخرت ہے پر سبھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں یہ تو صرف تلاوت قران ذکر الٰہی اور نماز کے لیے ہیں۔" بخاری و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکر الٰہی کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔" امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

[241] القران الکریم ۴/ ۵۸

[242] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالك المكتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱، صحیح مسلم كتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[243] کنز العمال بحوالہ خ عن ابی هریرة حدیث ۲۰۷۹۵ مؤسسة الرسالة بیروت ۷/ ۲۶۲

[244] کتاب الزهد (امام احمد بن حنبل) زهد ابی بكر حدیث ۵۸۹ دار الكتاب العربی بیروت ۳/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا القران و ذکر اللہ تعالٰی و مسألۃ عن الخیر او اعطاؤہ[245]۔

وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ و کیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لا یفعل فیہ قط علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم فیقال فیہ ایضا ان المساجد لم تبن لھذا کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ والحضرۃ لا تبنی لندا ء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اخرہ من قبیل المتابعات والشواھد ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف ھیھات لما یقنع المکابر و یقمع الاعتساف

مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ، ذکر الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔"

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں اگر مسجد اس کے لیے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا، نہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لیے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے اس ضعیف بندے پر کلام مجید حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا باتیں سب کی سب ظاہر ہیں اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کے لیے کافی ہے

245 الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۵۸

و نسال اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ.والحمدللہ رب العلمین و صلی اللہ تعالٰی و بارک وسلم علی سیدنا محمدواٰلہ و ابنہ وحزبہ اجمعین۔	میں اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت رحمت کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود سلام ہو۔

الشمامۃ الرابعۃ من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد لله وكفى وسلام على عبا ده الذين اصطفى ليعلم سا دتنا و اخو تنا اهل الحق و الهد ى حفظنا الله تعالٰی و ایاھم عن الردی ان الو ھا بیۃ العنو د ومن تبعھم من طلبۃ الھنود بذلوا جھدھم لیخرجوا حدیثا صحیحا او نصا فی الفقه صریحا یفید ان السنۃ فی ھذا الاذان کونه فی جوف المسجد متصلا با لمنبر کما تعود ده ھھنا فلم یقدروا وما کان الله لیرفع باطل راسا فجعلوا یتشبثو ن بکل حشیش فخمسۃ اتفقوا علی الاحتجاج	حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو حق و ہدایت والے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیسا کہ آج کل رواج پڑگیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکے اور اللہ تعالیٰ باطل کو سر بلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بھا: (۱) نصوصھم ان ھذا الاذان بین یدی الخطیب۔ (۲) وتعبیر بعضھم فی مسئلۃ ان ایجاب السعی بالاذان الاول او الثانی ھذا الاذان بالذی عند المنبر۔ (۳) وبعضھم بالذی علی المنبر۔ (۴) وزعموا ان کونہ داخل المسجد ملاصق المنبر ھو التوارث فمن احترس لنفسہ یجمل و یقول من القدیم والذی تجرأ یقول من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ (۵) وزعموا ان علیہ التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیہ جمیع اھل الاسلام وتفرد بعضھم من بعض بشبھات اخری ذات عجر و بجر والعبد الضعیف بتوفیق الملک اللطیف عز جلالہ یرید ان یمر علیھا طرداطرداویبین عوارھافردافردافلنبتدی بالاول ثم نتبعھا الباقی الاذل وماتوفیقی الا باللہ علیہ	بخشیں بھی کی ہیں یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اس کارد کردے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔ (۱) اذان جمعہ کے لیے تمام فقہاء نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔ (۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لیے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔ (۳) اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔ (۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے اور جو جرات بے جا کرتا وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت والیہ انیب۔ **نفحہ ا** : قد بینا بالحدیث و الفقہ ان السنۃ فی ھذا ا لاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر و لکن لیس فی الفظۃ بین یدیہ ما یقرّأ عینھم ولا ما یمیل الیہ انما مفادھا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد و خارجہ الی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاھدۃ لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا غیر ان الفقہ دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منہ بحیث لا یعد ابلنداء ثمہ نداء الی ھذا المسجد بل فی حدودہ وفنائہ وارشدنا الحدیث فتعین ھذا محلا لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھذا اللفظ۔ **فاقول** : و باللہ التوفیق ۔اللفظ مرکب و معناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشیئ فی	**(۵)** ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔ اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ **نفحہ ا** : ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سو انہیں البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔ اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

الفضاء المحصور بین ھذین العضوین من المضاف سواء کان امامه او خلفه اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا فانك اذا ارسلت یدیك فلیس بینهما الا جنباك و فخذاك و او ان بسطتهما قبالة وجهك او وراء ظهرك فكل ما وقع فی الفضاء المحصور بهما فهو بین یدیك وهو امامك فی الاول وخلفك فی الثانی ولیس امامك ولا خلفك فی صورة الارسال۔

وانت تعلم ان هذا المعنی لا مساغ له هنا بل الامر ان المركب ربما لایلاحظ الی معانی اجزائه التفصیلیة و یصیر باجماله دالا علی معنی اخر لغة او عرفا فهو و ان كان مجازا له بالنظر الی مفصله یكون حقیقتا لغویة او عرفیةفیه باعتبار اجماله و ذلك فی لفظنا هذا معنی الامام والقدام اما مطلقا من دون تخصیص بالقرب او مع لحاظه وحینئذ یفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤیة العادیة القرب و المقابلة فكل مرئی حین هو مرئی محاذ

کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور نہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضاء "بین دی یہ "ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ "بین یدیہ "کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قریب۔

وھذا منتھی مفاد اللفظ فی نفسہ و اختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصیات المقام لانہ امر اضافی مشکلك متفاوت غایۃ التفاوت فیلاحظ لکل مقام ما یستدعی وھی دلالۃ عقلیۃ من الخارج لا من اللفظ ثم توسع فیہ علی الوجھین و استعیر ظرف المکان للزمان فارید بہ الماضی اما مطلقا او قریب لان جھۃ المضی جھۃ الظھور کالامام او المستقبل کذلك لان کل آت قریب وانت متوجہ الی القابل فکانہ لك مقابل وعلی ھذین الوجھین ورد فی القران العظیم و المحاورات وبھما فسرتہ ائمۃ اللغۃ و التفسیر الاثبات ووجدت اللفظۃ فی القران الکریم فی ثمان و ثلثین موضعا فی عشرین منھا لادلالۃ علی القرب وفی واحد جاء علی حقیقۃ اجزائہ الترکیبیۃ و فی سبعۃ عشر فید القرب علی تفاوت عظیم فیہ من الاتصال الحقیقی الی فصل مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ جعلنا مالادلالۃ فیہ علی القرب فریقا والبواقی فریقا:

بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے مستعمل ہونے لگا یا تو مطلقًا زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے قران عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اسکی تفسیر کی میں تتبع اور تلاش سے قران پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

فمن الاول (۱) قول ربنا عز و جل فی سورۃ البقرۃ[246] (۲) فی طٰہٰ[247] (۳) فی الانبیاء[248] (۴) فی الحج" یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ"[249] (۵) فی مریم " لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ"[250]۔فعلم اللہ تعالٰی وملکہ لایمکن اختصاصہ بقریب او بعید سواء اخذا الظرف مکانیا او زمانیا اولوحظ معنی عام کما ھو الانسب بالمقام الافخم (۶) فی سورۃ البقرۃ " فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ "[251] (۷) فی آل عمران : " نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ "[252]۔ (۸) فی سورۃ الانعام : " وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ "[253]۔	قسم اول : (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج۔ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں " یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ" ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔(۵) سورہ مریم شریف کی آیت " لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ " ۔اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے ہمارے پس و پیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔(۶) سورہ بقرۃ میں " فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ " پاک نے قران عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔ (۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔ (۸) سورہ انعام میں : "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

---

[246] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[247] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰

[248] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۸

[249] القرآن الکریم ۲۲/ ۷٦

[250] القرآن الکریم ۱۹/ ٦۴

[251] القرآن الکریم ۲/ ۹۷

[252] القرآن الکریم ۳/ ۳

[253] القرآن الکریم ٦/۹۲

(۹) فی یونس: "وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ" [254]۔	(۹) سورہ یونس میں "یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۰) فی یوسف: "مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ" [255]۔	(۱۰) سورہ یوسف میں "یہ بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیئ کی تفصیل ہے"
(۱۱) فی سبا "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ" [256]۔	(۱۱) سورہ سبا میں کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گذشتہ ہے"۔
(۱۲) فی الملئکۃ "وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ" [257]۔	(۱۲) سورہ ملئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۳) فی حم السجدۃ "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ" [258]۔	(۱۳) سورہ حم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔"
(۱۴) فی الحقاف "قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" [259]۔	(۱۴) سورہ احقاف میں سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم ! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔" (ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

[254] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷
[255] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱
[256] القرآن الکریم ۳۴/ ۳۱
[257] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۱
[258] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲
[259] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۰

فالقرآن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبا او بعیدا ولا یخالفہ عــہ۱ شیئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ عــہ۲ بشیئ لایومنون۔

(۱۵) ومن ذلك فی اٰل عمران عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام "وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[260]

(۱۶) فی المائدۃ "وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪"[261]

(۱۷) فی الصف "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ"[262]

فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی القرآن العزیز

اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسٰی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی"

(۱۷) اور سورہ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا، اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔"

ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کہ حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی

عــہ۱: ناظر الی الاٰیۃ الثالثۃ عشر ۱۲ منہ علیہ الرحمۃ۔

عــہ۲: ناظر الی الاٰیۃ الحادیۃ عشر ۱۲ منہ۔

عــہ۱: تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے

عــہ۲: گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

---

[260] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[261] القرآن الکریم ۵/ ۴۶

[262] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم و ان امکن حملہ ھھنا علی الحضور۔	تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا"[263] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاخرین (بیضاوی[264])	(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)
(۱۹) وفی حم السجدۃ "اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ"[265] عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاخرۃ اھ (نسفی[266]) او من قبلھم ومن بعدھم اذقد بلغتھم خبر المتقدمین و اخبرھم ھود و صالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[267])	(۱۹) اور حم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہنچی اور ہود اور صالح علیہ السلام نے نہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔
(۲۰) فی الاحقاف "اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ"[268] قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لا تعبدو	(۲۰) سورہ احقاف میں حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

[263] القرآن الکریم ۲/ ۶۶

[264] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[265] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[266] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[267] انور التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰

[268] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

الا اللہ)(جلال[269])"۔	قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کس اور کو نہ پوجو (جلالین)
ومن الثانی (۲۱) فی الاعراف "وَهُوَالَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[270]۔	قسم ثانی (۲۱) سورہ اعراف میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔"
(۲۲) وفی الفرقان "وَهُوَالَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ"[271]	(۲۲) سورہ فرقان میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔"
(۲۳) فی النمل "اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[272] (فانھا تدل علی قرب المطر)۔	(۲۳) سورہ نمل میں "یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی" (ان آیات میں بین یدیہ قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)۔
(۲۴) فی الاعراف "لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ"[273] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔	(۲۴) اعراف میں "ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں بائیں" اس آیت میں شیطانوں کو وسوسہ کا بیان ہے جس کے لیے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں بے اس سے خدا کی پناہ)

[269] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲۱/۴۶ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[270] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

[271] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۸

[272] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۳

[273] القرآن الکریم ۷/ ۱۷

(۲۵) فی الرعد "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ"[274] فان شان الحافظ القرب۔	(۲۵) سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں۔" اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔
(۲۶) فی سبا "اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ"[275] یرید سماء الدنیا المرئیة لنا الاقرب الینا۔	(۲۶) سورہ سبا میں "تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان و زمین۔" اس آیت سے سماء سے مراد آسمان دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔
(۲۷) فیہا "وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ" (الی قولہ عزوجل) یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ"[276]۔ فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرای منه علی وفق مایشاء۔	(۲۷) اس میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔" اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔
(۲۸) فیہا "مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝۴۶"[277] دل علی قرب القیامة۔	(۲۸) اسی میں "تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔" اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

[274] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[275] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

[276] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲و۱۳

[277] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

(۲۹) فی یٰس " وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا "[278] ۔ ھذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی و العیاذ باللہ تعالٰی۔	(۲۹) سورہ یٰس میں " ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔ " یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لیے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو " (پناہ بخدا)
(۳۰) وفیھا ،(وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ من عذاب الدنیا کغیرکم (وَ مَا خَلْفَكُمْ[279]) من عذاب الاخرۃ (جلال[280])	(۳۰) اسی میں ہے " جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔ " یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب سے بچو۔ یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین)
(۳۱) فی حم سجدہ (وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ من امر الدنیا و اتباع الشھوات (وَ مَا خَلْفَهُمْ[281]) من امر الاخرۃ (جلال[282])	(۳۱) حم سجدہ میں " اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے انہوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے " مابین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین)
(۳۲) فی الحجرات: " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[283] فان المفاد النھی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ و تصویر	(۲۳) سورہ حجرات میں " اے ایمان والو ! اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے اور اسکی شناعت

[278] القرآن الکریم ۳۶/ ۹
[279] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵
[280] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰
[281] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵
[282] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸
[283] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

شناعة هذا المحسوس وهو تقدم العبد علی مولاه فی المسیر وانما یستهجن من قرب ما۔	کو محسوس کے ساتھ ممثل کرکے دکھایا گیا اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلنے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔
(۳۳) فی الحدید "یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ"[284] **کلمة "یسعی"** تدل علی ارادة ماینور لهم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقة۔	**(۳۳)** سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھو گے کہ مومن کہ مومن مردوں اور عورتوں کانور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ "یہاں کلمہ **"یسعی"** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لیے روشن کی گئی ہے تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے "اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔
(۳۴) فی المجادلة "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ"[285]۔	**(۳۴)** سورۂ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"
(۳۵) فیها "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ"[286] فان المقصود تعظیم الرسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولا یظهر الا بالقرب۔	**(۳۵)** اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو "ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔
(۳۶) فی الممتحنة (وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ[287]) ای بولد ملقوط ینسبه الی الزوج	**(۳۶)** سورۂ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھو اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو۔ "وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

[284] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۲

[285] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۲

[286] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۳

[287] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامر اذا وضعته سقط بین یدیها ورجلیها اھ(جلال[288])فھذا علی الحقیقة الترکیبیة۔ (۳۷)فی التحریم، "نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ"[289] (۳۸)فی الجن("عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ"[290])یجعل و یسیر (من بین یدیه)ای الرسول(ومن خلفھم رصدا) ملئکة یحفظونه حتی یبلغه فی جملة الوحی(جلال[291])ھذہ واضحات۔ ومنھا، "فَجَعَلۡنٰہَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہَا وَ مَا خَلۡفَہَا"[292]علی الاظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا و	عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔" (۳۷) سورۃ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔" (۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالٰی علم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں۔" یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ سب آیات واضح ہیں۔ اسی سے ہے: "ہم نے (اس بستی) کا یہ وقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ مابین یدیہ اور خلفه سے مراد وہ امتیں

[288] تفسیر جلالین تحت الآیة ۶۰ /۱۲ اصح المطابع دہلی ص۴۵۸

[289] القرآن الکریم ۶۶ /۸

[290] القرآن الکریم ۷۲ /۲۶و۲۷

[291] تفسیر جلالین تحت الایه ۷۲ /۲۶و۲۷ اصح المطابع دہلی ص۴۷۷

[292] القرآن الکریم ۲ /۶۶

بعدھا(جلال[293])اولما بحضر تھا من القری وما تباعد عنھا او لاھل تلك القریۃ وما حوالیھا (بیضاوی[294])وکذا" اِذۡجَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ"[295]علی معنی اتوھم من کل جانب وعملو افیھم کل حیلۃ اھ(مدارك[296])"۔ واما تفسیر ائمۃ اللغۃ والتفسیر ففی الصحاح، والقاموس ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعۃ"ای قدامھا[297]وفی الصراح"بین یدی پیش روئے[298]او،وفی التاج"یقال بین یدیك بکل شیئ امامك[299]اھ،و فی معالم التنزیل من الھجرات"معنی بین الیدین الامام والقدام[300]۔و	ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی) ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالٰی کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے اس" آیت کے معنی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)۔ ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے: ۱صحاح، ۲قاموس، ۳مختار الصحاح، ۴تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے اور ۵صراح میں آگے جانے والے اور ۶تاج العروس میں ہے کہ بین یدیك ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمھارے آگے ہو۔ ۷معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔اور

[293] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱
[294] انوار التنزیل(تفسیر بیضاوی)تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸
[295] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴
[296] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دالکتب العربی بیروت ۴/ ۹۰
[297] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیا(یدی)احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹
[298] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸
[299] تاج العروس فضل الیاء من باب الواو والیاء"یدی"احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹
[300] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیۃ ۴۹/ ۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۱۸۸

الخازن من آل عمرا ن ما بين يد يه فهو اما مه[301] وفى ابى السعو د و الفتو حات الا لٰهيته من يو نس عليه الصلو ة والسلا م "بين يد يه اى اما مه"[302] وفى الجلا ل من الر عد بين يد يه قد امه[303] وفيه من مر يم ما بين ا يد ينا اى اما منا[304] وفيه وفى غير ه من البقر ة وغير ها مصد قا لما بين يديه قبله من الكتب[305] ثم فى الانموذج الجليل تحت الكريم السا دسة والعشرين" ما بين يد ى الانسان هو كل شيئ يقع نظر ه عليه من غير ان يحول وجهه اليه[306] وفى الكر خى ثم الفتوحات الا لهية ايضا تحتها من المعلو م ان ما بين يد ى الانسان هو كل ما يقع نظر ه عليه من غير ا ن يحو ل وجهه اليه[307] وفى تكملة مجمع البها ر فعلته بين يديك اى بحضر تك[308]"۔

[8]خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔[9]تفسیر ابو سعود اور فتوحات الٰہیہ میں سورۃ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے" اور [10]جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"۔اسی[11]میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی کے ہمارے آگے۔اسی[12]میں اور [13]دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصد قالما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے، [14]انموذج جلیل میں ۲۷ویں آیت کے تحت ہے: مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔ [15]کرخی اور [16]فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے: انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔[17]تکملہ مجمع البحار میں ہے: فعلته بين يديك کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔۔

---

[301] لباب التاویل(تفسیر الخازب)تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲۴

[302] الفتوحات الالھیۃ(تفسیر الجمل)تحت الآیہ ۱۰/ ۳۷ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۷۳

[303] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۳/ ۱۱ اصح المطابع دہلی ص ۲۰۱

[304] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۹/ ۶۴ اصح المطابع دہلی ص ۶۵۸

[305] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲/ ۹۷ اصح المطابع دہلی ص ۱۵

[306] الانموذج الجلیل

[307] الفتوحات الالھیہ(تفسیر للجمل)تحت الایۃ ۳۴/ ۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۳/ ۴۶۱

[308] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/ ۲۳۱

وفی عنایۃ القاضی من ایۃ الکرسی اطلاق مابین اید یھم علی امور الدنیا الانہا حاضرہ والحاضر یعبر عنہ بذلك۔ وامور الاخرہ مستترۃ کما یستتر عنك ماخلفك[309] وفی الجمل منہا مابین اید یھم ای ما ھو حاضر مشاھد لھم[310] وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان مایحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ[311] الخ" یاتی تمامہ۔	اور [۱۸] عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمھارے سامنے ہیں۔اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز تمھارے پیچھے ہو۔اور جمل [۱۹] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں [۲۰] خطیب شربینی اور [۲۱] جمل میں بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی "ان دونوں کے حضور کئے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے، اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔(پوری بات آگے آرہی ہے)
فاستبان لك بالقرآن العظیم والحدیث و نصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لا دلالۃ اصلا لقول الفقہاء یوذن بین یدی الخطیب علی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔	تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔
فاولًا: لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین	**اولاً**: لفظ بین یدیہ افادہ قرب میں متعین نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس

[309] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸۰

[310] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ المصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۲۰۷

[311] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ المصطفی البابی حلبی مصر ۴/ ۱۷۴، السراج المنیر (الشربینی) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

آیة تلونا اولا و مما ذکرنا من کتب اللغة والتفسیر سابقا فانما غرضهم افادہ ان السنة فی هذا الاذان مضاذاة الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر)ای فی حذائه[312]اھ فهذا هو المقصود بالا فادة ههنا اما ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنه بل فی حدودہ و فنائه فمسألة اخری معلومة فی محلها و بها تتعین محل هذا المحاذاة کما قدمنا۔	آیتوں سے ظاہر ہوا اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے جیسا کہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جو جوف مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود و اطراف میں ہو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔
وثانیًا:سلمنا القرب فهو امر اضافی و قرب کل شیئ بحسبه الاتری۔	ثانیا:اور اگر بین یدیہ کے معنی قریب تسلیم بھی کر لیے جائیں توقرب اسی کے حساب سے ہوگا
(۱)فی الایة الحادیة والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تهب الریاح فینزل بل کماقال عزوجل "حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ"[313]۔	(۱)دیکھو اکیسویں۲۱ آیت میں بین یدیه کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے:"ہوا نے بادل کو اٹھا لیا تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا تو اس سے بارش ہوئی۔
(۲)فی السادسة والعشرین	(۲)۲۲ویں آیت میں آسمان کو

[312] نافع شرح القدوری

[313] القرآن الکریم ۷ /۵۷

جعل السماء بین ایدینا و بیننا و بینہا مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ و ھذا ترجمان القرآن علامۃ الکتاب من افصح العرب واعلمہا باللسان عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما یقول فی تفسیر آیۃ الکرسی یعلم ما بین ایدیہم یرید من السماء الی الارض وما خلفہم یرید فی السموات (رواہ الطبرانی[314] فی کتاب السنۃ)	ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے حضرت ترجمان القرآن علامۃ الکتاب افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیۃ الکرسی کے یعلم ما بین ایدیھم کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے اور ما خلفھم کے معنی آسمان متعین فرمائے طبرانی نے سے کتاب السنہ میں روایت کیا
(۳) وفی السابعۃ والعشرین ذکر عمل الجن بین یدی سیدنا سلیمن وھولاء الجن ھم الشیاطین کما قال تعالٰی "وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾"[315] وما کان لہم ان یدخلوا الحضرۃ السلیمانیۃ لیعملوا ثمہ محاریب و ماثیل و جفانا کالجواب و قدور رّٰسیٰت تکفی واحدۃ منہا الف رجل۔	(۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عریض لگن بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں بنا ہی نہیں سکتے تھے۔
وروی ابن ابی حتم فی تفسیرہ عن سیدنا سعید بن جبیر قال کان یوضع لسلیمان علیہ السلام علیہ الصلوۃ و السلام ثلثمائۃ الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیہ و مومنو الجن من ورائھم[316] اھ	ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے تو شیطان توان

[314] الدرالمنثور بحوالہ الطبرانی فی السنۃ تحت الایۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[315] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[316] تفسیر القرآن العظیم تحت الایۃ ۲۷/ ۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمہ ۹/ ۲۸۵۵

فماکانت الشیاطین الا وراء کل ذلك

(۴)وفی الثامنة والعشیرن ارشد الی ان بعثة نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقرب القیامة کما قال صلی اللہ تعالٰی وعلیہ وسلم بعثت انا والساعة کھاتین(رواہ احمد والشیخان [317]عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما)وقد امھل اللہ الامة المرحومة الی وقتنا ھذا الفا وثلثمائة وخمسا اربعین سنة وسنزید والحمد للہ الحمید ولم ینافِ ذلك الایة ولا قولہ صلی اللہ تعالٰی وسلم بعثت طبین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد اللہ تعالٰی وحدہ لا شریك لہ(رواہ احمد[318] وابو یعلی و الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ وعلقه البخاری)۔

(۵)الانجیل بین یدی القرآن و بینھما فی النزول اکثر من ستمائة

سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔

(۴)اٹھائیویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم نے بھی ارشاد فرمایا میں اور قیامت ان دوانگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے(احمد وشیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے اس کو روایت کیا)اور اللہ تواللہ تعالٰی نے آج ۱۳۴۳ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں(احمد وابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔

(۵)انجیل "بین یدی القرآن" ہے اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال

---

[317] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳،صحیح مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۶،مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك ۳/ ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۹۳، ۱۳۱، ۲۳۷ و ۲۷۵

[318] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰و۹۲

سنة،والتوراة بین یدی الانجیل و بین عیسی و موسی علی ما فی الجمل الف و تسعمائة و خمس و سبعون سنة و کذا ھی بین یدی والفرقان و بین نزولیھما نحو من ثلثة الاف سنة۔ (٦)لا یرتاب احد ان المواجه المغرب حین تدلت الشمس للغروب ان یقول ان الشمس بین یدی و بالفارسیة "آفتاب پیش روئے من است" او بالھندیة "سورج میرے منہ کے سامنے ہے" مع ان بینھما مسیرة ثلثة الاف سنة وکذا یقول للثریا اذا واجھھا و بینھما مسیرة ثمانیة الاف سنة۔ (٧)فی الکریمة التاسعة والعشرین ارید الاتصال الحقیقی لان العمی لا یحصل الا بذاك فظھر ان القلب المدلول بلفظ بین یدیه له عرض عریض منبسط من الاتصال الحقیقی الی مسیرة ثمانیة الاف سنة۔ انما اصله الحاضر المشھود و الاختلاف لاختلاف المحل والمقصود فمثلا	سے زائد کا فاصلہ ہے١٣١ور توریت انجیل کے مابین یدیہ ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچھتّر ١٩٧٥سال کا فاصلہ ہے۔اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی بین یدیہ ہے تو توریت وقرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا"۔ (٦) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے والا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بین یدی"، اور فارسی میں کہتا ہے: "آفتاب پیش روئے است "، اور "ہندی میں کہتا ہے۔" "سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔" حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔ (٧) انتیسویں آیت میں لفظ "بین یدیہ" سے مراد اتصال حقیقی ہے اس لیے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہوکر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کی اصل حاضر و مشہود کے لیے ہے اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱)الثریا تری من مسیرة کذا(۲)الشمس من کذا (۳) السمائة من میسرة خمسمائة سنة فکان ھی القرب فیھا(۴)وفی العملة من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا(۵)المصلی مامور بقصر بظرہ علی موضع سجودہ فھذا ھو موضع شھودہ فلن یکن المرور بین یدیہ الا اذا مر بحیث لو صلی صلوة الخاشعین یقع علیہ نظرہ وھو المراد بموضع سجودہ کما افادہ المحققون(۶)فی قولك جلست بین یدیہ یحتاج الی قرب اکثر مما یفید مجرد الابصار فانہ یکون للمکالمة والسمع اقصر مدی من البصر والیہ اشاروا فی الکشاف و المدارك والشربینی وغیرھا بقولھم" حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجھتین المسامتتین لیمینہ وشمالی قریب منہ فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القرب منھما توسعا کما یسمی الشیئ باسم غیرہ اذا	(۱) ثریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے اور مصلی کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہو گا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لیے ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا دائرہ بصرہ کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے چنانچہ کشاف، مدارک اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان" کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں انہیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں اور یہ مجازا ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاورہ[319] ھ	دے دیا جاتا ہے اھ "
وھذاھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود قلت:	(خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔)
تنبیہ: وفی قولھم اولا حقیقۃ قولھم واخرا توسعا اشارۃ الی ما قدمت من انہ مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔	**تنبیہ:** اس عبارت مین اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔
(۷) یرید رجل قراءۃ القرآن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب محیث یمکنہ القراءۃ منہ ویختلف باختلاف نظرہ حدیدا او کلیلا واختلاف خط المصحف دقیقا او جلیلا۔	ایک شخص قران کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود بے وضو ہے تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قران عظیم لے کر بیٹھ جاؤ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔
وھذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وھو لا یحمل ولا یقلب انما یقرأ منہ بالنظر فیہ لا تفسد فی الصلٰوۃ عندھما، وعندہ تفسد کما فی الھندیۃ[320] وغیرھا۔	اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اس دیکھتا ہے اور قرات کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہوجائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

[319] تفسیر الکشاف تحت الایۃ ۱/۴۹ دار لالکتاب العربی بیروت ۴ /۵۰-۳۴۹، مدرال التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۱/۴۹ دار لالکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵، السراج المنیر (تفسیر الشربینی) تحت الایۃ ۱/۴۹ نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۰

[320] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۰۱

(۸) تضع شیئا بین ید ی أحد لاکله فهذا علی ما تصل ید ہ الیه کحد یث البخاری عن جا بر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما۔ جئت بقلیل رطب فو ضعته بین ید ی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاکل[321]۔	تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لیے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہو گا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لایا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔"
(۹) مقا بلان علی صحفة یا کلان منها فیأخذ احد منهما شیئا منها و یضع بین ید ی صا حبه فهذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحه کحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین ید یه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[322]۔	(۹) دو شخص آمنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھا رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شے لے کر اپنے ساتھی کے قریب جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سر مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔
(۱۰) "جَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا"[323] علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔	(۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تو نے جانا۔

---

[321] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۸

[322] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الثرید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۵

[323] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

وبا لجملة کل هذه الا ختلا فا ت انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلا لة علی شیئ منها للفظ بین یدیه واذا کان الا مر علی ما وصفنا بطل الاستدلال به علی الا تصال او القرب الاخص حتی یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونه لصیق المنبر وهم المستدلون فلیاتوا ببرهان ان کانوا صادقین وانی لهم ذلك واذ قد عجزوا وللّٰه الحمد فیسالونا ان نتبرع ونفیدهم ان القدر المدلول هو ان یکون ظاهرا مشاهدا لا یحتاج معه فی رؤیته الی تحویل الوجه کما قدمنا التنصیص به عن الائمة هذا هو القدر المشترك والزیادة تستفاد من خصوص المقام کما علمت وهی ههنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائه فتم الامر وحصل النصر فظهر امر اللّٰه وهم کارهون	خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انہیں ہی علیحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہیے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین یدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعا انہیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و مشاہد جسے دیکھنے کے لیے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے بات مکمل ہو گئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہو گیا اللہ تعالٰی کا

والحمد للہ رب العلمین۔

ثالثا: نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحکم العدل وما کان عھدہ فھو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان ھذا الاذان کان یکون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی باب المسجد فعلم ان ھذا القدر من القرب ھو المراد ھھنا فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن نقص منہ فجعل ھذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثۃ فقد ظلم ومن جعلہ داخل المسجد بالمعینین الاخرین و خارج المسجد بالمعنی الاول فھو الذی بالحق حکم و حکم اللہ ورسولہ اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ ۲: ظھر مما زھر وللہ الحمد سفاھۃ من تشبث ھھنا بقول الراغب فی مفرداتہ یقول: یقال

فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔

ثالثاً: یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم العدل ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا، اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم اللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ ۲: الحمد للہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

هذا الشيئ بين يديك اى قريبا منك[324] اهو بكلام الكشاف والمدارك: حقيقة قولهم جلست بين يدى فلان[325] الخ **فاولا** لاننكر ان اللفظ ربما يلاحظ فيه القرب ولكن قد علمت ان للقرب عرضا بعيدا۔ **وثانيا:** لم يدر ان الزيادة فی جلست بين يديه مستفادمن خصوص الجلوس كما بينا وله ايضا عرض عريض فالوزير الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس كلاهما يقول جلست بين يدی الملك ولكن شتان ماقرب الوزير وقرب من فی صف النعال او لعله لم يجلس الا علی عتبة الباب فينقلب السند علی من استذا ذصدق علی من فی الباب كونه بين يدی من فی صدر	اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھاتے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ"۔ **اولاً:** ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی توبڑی وسعت ہے۔ **ثانیاً:** انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنافرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

[324] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[325] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، تفسیر الکشاف تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۳۴۹/۴

المجلس والمحراب۔ **ثالثًا**: حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء ایها لراغب الی قول الراغب هل تظنه مخالفا للنصوص التی قد منا عن ائمه اللغة وجها بذة التفسیر ام لا ؟فعلی الاول ما الذی راغبك عنهم الی من شذوهم الجم الغفیر وعلی الثانی الم یکفك ماللحاضر المشاهد من القرب فان الرؤیة العادیة مشروط لها لقرب ام زعمت ان القرب حد معین لا تشکیك فیه فاذن لا یحاورك ال مثلك سفیه وهذا ربنا تبارك و تعالٰی قائلا وقوله الحق "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝" [326] بل قال عزوجل "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝ۚ" [327] والحساب بعد قیام الساعة بنصف الیوم ،والیوم کان مقداره خمسین الف سنة۔	والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔ **ثالثًا**: راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنٰی بتائے وہ ان آئمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی، اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں، حالانکہ رویئت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے، یا تم قرب کے ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالٰی اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا"۔ بلکہ اسی قدوس و پروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آ پہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔" حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا، اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

326 القرآن الکریم ۵۴/ ۱

327 القرآن الکریم ۲۱/ ۱

ورابعًا: ذکر الامام القدوری فی الکتاب الحرز علی ضربین منھما حرزبا لحافظ[328] فقال فی الجوھرۃ النیرۃ" ھذا اذکان الحافظ قریبا منه بحیث لا یراہ فلیس بحافظ[329] ،اھ" فانظر جعل مایری قریبا وما نای بحیث لا یری بعیدا فھذا ھو معنی القرب فی کلام الراغب موفق لمانص علیه الائمة الاطائب۔

خامسًا: یقول لك الراغب اراغب انت عن بقیة کلامی یاغفول فان کلامه ھکذا "یقال ھذا الشیئ قریب منك وعلی ھذا قوله: له مابین ایدینا و مصدقالما بین یدی من التوراۃ الخ وقوله قال الذین کفروالن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیه ای متقدماله

رابعًا: اما مقدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں (ا) نگران کے ذریعہ حفاظت جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے اور اگر اتنا دور ہو یا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو یہ حفاظت نہیں ہے امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب وبعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و مشاہد ہونا چاہیے جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔

خامسًا: اس متدل سے خود امام راغب کو شکایت ہو گی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے: "محاروہ ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالٰی کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی زبانی سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لیے ہے (اور قرآن کے لیے خود فرمایا) اپنے سے آگے عالے کتاب توراۃ

[328] المختصر للقدوری کتاب السرقة مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۰

[329] الجوھرۃ النیرۃ کتاب السرقة مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۶۱

من الانجیل ونحوہ[330] اھ(باختصار)"

فانظر علی ما حمل القرب وقد جعل مفرعا الیه "له ما بین ایدینا" اتراہ یقول ان مراد لاملئکة تخصیص ملك الله تعالٰی بما یلیهم۔

وسادسًا: فرع علیه "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[331] وبینهما الفاسنة فاذا لم یمنع هذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منه الفصل القلیل المکانی بین المنبر و حرف المسجد و ربما لا یبلغ مائة ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔

وسابعًا: ثم قال الراغب انزل علیه الذکر من بیننا ای من جملتنا وقوله لن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذی بین یدیه ای

کی تائید کرتا ہے اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر"

اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتاکر اس کا مصداق لہ مابین ایدینا کو قرار دیا، تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنی متصل اشیاء مراد لی، کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟

سادسًا: اسی معنی قریب کی فرع مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دوہزار سال کا فاصلہ ہے تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔

سابعًا: اگر امام راغب کے قول" قولہ وقال الذی کفروا کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ

---

[330] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[331] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

متقد ما له من الانجيل و نحو ه [332] انتهى فهذا تفسير اخر لبين يد يه"تقييد بالقرب فقد افاد كلا الوجهين واقتصرت على الاول بالشين والمين۔" **وثامنًا**:سلمنالك ان مراد الراغب ماتريد ولكن هذا صاحب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم السائب بن يزيد العربى صاحب اللسان يقول كان يوذن بين يديه رسول الله صلى الله تعالٰى وسلم على باب المسجد [333] هو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة احديث فى جبهة حجا جكم كية لاتمحى فلله الحمد. **تاسعًا**:اعترف هذا المستدل بان بين يديه فى بعض المواضع بحسب المقام تكون خاليًا تكون خاليا عن	قرار دیا جائے تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہو تاکہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے، معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟" **ثامنًا**: چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے مگر اس کو کیا کیجئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔ **تاسعًا**: مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے اور صرف سامنے اور

[332] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ"بین"نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[333] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

معنی القرب دالا علی مجرد المحاذاۃ قال کما صار واقعا فی بعض الایات القرینیۃ ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلۃ الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القرآن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب یا مسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعك عدم التصریح انہ انما کان علیك ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بمسالك الاحتجاج یاتی بالعجائب۔	مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیات قرانی میں بھی واقع ہوا ہے مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لیے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قران عظیم میں ایسا وارد ہے اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہو گیا کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے سبحان اللہ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ثم قولہ لما لا یریدہ ولا یرضاہ کما صار واقعا فی بعض اٰیات القرآن ایضا یلمح الی شیئ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال	اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیسا کہ قران کی بعض آیات میں واقع ہوا یہ بتانے کے لیے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہو اوخطاءً

لما وقع سهوا او خطاءً على خلاف الجادة نسال الله العفو والعافية۔ **عاشرًا:** اذ قد ثبت فی القران العظیم فلم انت راغب عنه الی قول الراغب وتزعم ان المفاد هو الذی قاله لا ما وقع فی القرآن الکریم فان زعمت ان ما انت فیه لیس محله کان علیك ابداء ما هو محله وانه فی القرآن لا هٰهنا واثبات کل ذلك بالبینة والا فلم تقر بانه فی القرآن المجید ثم انت عنه تحید ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العزیز الحمید۔ **نفحه ۳:** نص ائمتنا فی الاصول ان "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصوله والامام صدر الشریعة فی التنقیح والتوضیح، واقره العلامة سعد التفتازانی فی التلویح (عند للحضرة[334]) وفی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحه التقریر لتلمیذه المحقق الحلبی (عند للحضرة الحسیة	واقع ہوا کیا قرآنی آیات کے لیے یہ اسلوب بیان صحیح ہے اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں **عاشرًا:** جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لیے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کے راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لیے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔ **نفحہ ۳:** ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لیے ہے چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ "عند حضور کے لیے ہے محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لیے ہے جیسے آیۂ کریمہ فلمارآہ مستقرا عندہ،

[334] اصول البزدوی باب حروف البحر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب[335] اھ وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولٰی خسرو فی مرأۃ الاصول وشرحۃ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقۃ او الحکمیۃ اھ، [336]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البہاری وشرحہ فواتح الرحموت للملك العلاماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان[337] اھ

ومعلوم ان کلا حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فما د عند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلا عن ان یزید ضیقا علیہ وقد فرقوا بین لدی

اور حضور معنوی کے لیے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں مولا خسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لیے آتا ہے مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لیے ہے جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے)۔ اور معنوی کے لیے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔

اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش اور نہ عند کے لیے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

---

[335] التقریر والتحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دار الفکر بیروت ۲/۱۰۱

[336] مرقاۃ الاصول شرح مرآۃ الاصول، فصول البدائع فی اصول الشرائع

[337] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۵

وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔قال الرضی فی شرح الکافیۃ عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ہو فی حزتك ان کان بعیدا بخلاف لدی فانہ لا یستعمل فی البعید [338] اھ.والقرب کما علمت ذو وسع بعید و لنوضح ھھنا ایضا بایات الکلام الحمید۔ (۱)قال اللہ عزوجل:"اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" [339] (الایۃ)۔"ومرت فی النفحۃ الاولی القرانیہ امر کل من فی مشھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسواء فیہ من لدیہ ومن علی الباب کلھم عند رسول اللہ بلا ارتیاب	عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب و بعید دونوں کے لیے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں: (ا) اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔" نفحہ اولی قرآنیہ میں واضح کرآئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لیے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے سب کے لیے یہی حکم ہے محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے سبھی

---

[338] الرضی فی شرح الکافیہ "الظروف" لدی ولدن وقحط عوض دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۳

[339] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح و یصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولو کان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔

(۲)قال جل وعلا: "ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ[340]۔"

وھذا وسع من ذاک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الان فی حضرتہ۔

کے لیے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو یا صرف اس کے لیے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲)ارشاد الٰہی ہے: "یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرچ نہ کرو تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔"

یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاتو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

---

[340] القرآن الکریم ۶۳ /۷

(۳) قال تبارك وتعالٰی: "یَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰهُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ" [341]۔

هذا فی المنافقین وما کانوا یلونه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المجلس انما کان ذلك لابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما ثم لا یختص بمن کان اقرب منهم بالنسبة الی الاخر یشمل هو جمیعا۔

(۴) قال المولی سبحانه وتعالٰی "اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿ۙ۵۴﴾ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿٪۵۵﴾" [342]۔

عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء والعلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابة والصحابة من الانبیاء

(۳) اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشاد گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں): "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس دے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے۔"

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے قریب کی جگہ تو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی و دیگر مخلصین صحابہ کے لیے تھی منافقین تو ادھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔

"بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوں گے۔"

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت اولیاء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

[341] القرآن الکریم ۴/ ۸۱

[342] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵،۵۴

والانبیاء من سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرق لایقدر ولا یقدر بشر ان یتصور اعظم بالوف الآف مرات مما بین الفلك الاعلی وما تحت الثری وقد شملت کلھم عند۔	کسی ولی کا درجہ اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثری سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔
(۵)مثلہ قولہ عزوجل" اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۳۴ "[343]	(۵)اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے"بے شک متقین کے لیے رب کے پاس جنت نعیم فرمایا ہے۔"
(٦)فی اٰیۃ اخری وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی "اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ"۔[344]	(٦)دوسری آیت میں اللہ تبار وتعالٰی نے فرمایا:"اس نے دعا مانگی یااللہ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔"
ومعلوم ان اللہ تعالٰی قد استجاب لھا وقد فرج لھا ففی الدنیا ون بیتھا کما فی حدیث سلمان[345] وحدیث ابی ہریرہ بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنھما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیھم وعلیھا الصلوۃ والسلام ،بل قربا یلیق بھا وان لم یساوی ما لخدیجۃ و فاطمۃ و عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھن	(مذکورہ بالا آیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی تو کیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جوان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ وفاطمہ وعائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو چہ جائیکہ

[343] القرآن الکریم ٦٨ / ٣٤

[344] القرآن الکریم ٦٦ /١١

[345] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت الایۃ ٢٢ /١١دار احیاء التراث العربی بیروت ٢٨ /١٩٢،الدر المنثورتحت الایۃ ٢٢ /١١دار احیاء التراث العربی بیروت ٨ /٢١٣

فضلا عن الانبیاء الکرام علیھم الصلوۃ السلام۔	انبیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔
(۷)وقال عزوجل فی الشھداء "بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ"[346] این رجل من احاد الشھداء من سیدھم حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بل من نبی اللہ یحیی وغیرہ ممن استشھد من الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام۔	(۷)اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا "شہداء اللہ تعالٰی پاس زندہ ہیں۔" تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔
(۸)قال جل ذکرہ فی الملئکۃ "فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ"[347] تفاوتھم فیما بینھم معلوم غیر مفھوم "وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ"[348]	(۸)اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں ان فرشتوں میں باہم درفت کا کتنا تفاوت ہے ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقینا معلوم ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے۔"
(۹)قال عزمن قائل "وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ"[349] وماکان لمکر الکفار ان یکون	(۹)اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کافروں نے خدا سے مکر کیا ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔" کافروں کے مکر کے لیے اللہ تعالٰی سے

[346] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹
[347] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸
[348] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۶۴
[349] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

له قرب من العزيز الجبار لا مكانا لاستحالته ولا مكانة لاستهانته وانما هو للحضور ای حاضر بين يديه لايخفی عليه فيرجع الی معنی العلم۔	کوئی قرب نہیں نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے لامحالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں تو حضور علمی ہوا۔
(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ "[350] يعنی البدن قال فی المعالم ای عند البيت العتيق يريد ارض الحرام كلها قال فلا يقربوا المسجد الحرام كله[351]. اھ جعل جميع الجزاء الحرم اذ كلها منحر عند البيت ومعلوم ان كثيرا منها علی فصل فراسخ من البيت الكريم۔	(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔
(۱۱) تری التابعين يقولون فی احاديثهم كنا عند عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها فلا ادری علی ای قرب يحمله المطلون۔	(۱۱) احادیث کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تھے پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔
(۱۲) يقول الحاجب جئت من عند الملك وما كان الا علی	(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں حالانکہ وہ دروازہ سے

[350] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[351] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲۲/ ۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۴۲

الباب۔ (۱۳) یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینھما اکثر من مائتی ذراع۔ (۱۴) یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کو امل وان لم یکن قیامہ الا فی مسجدہ وجلوسہ الا فی اخریات مجلسہ۔ (۱۵) اتو خذ لفظۃ عند من کلام بعض الفقہاء ولا یوخذ ما ابانوا من معنی عند قال فی الکتاب الھدایۃ والکنز والتنویر وغیرھا واللفظ للکنز من سرق من المسجد متاعا وبہ عندہ قطع[352] فقال علیہ فی شروحہا المجتبی وفتح القدیر وبحرالرائق والدر المختار وغیرھا والنظم للدر: "عندہ ای بحیث یراہ[353] "۔	آگے بڑھ نہیں سکتا۔ (۱۳) مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونو فاصلہ دوسو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا۔ (۱۴) شاگرد استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔ (۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے فقہاء کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کی جائے ہدایہ، کنز، تنویر وغیرھا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ان کی شرح مجتبی، فتح القدیر، بحر الرائق اور در مختار میں فرمایا الفاظ در مختار کے ہیں "سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

[352] کنز الدقائق کتاب السرقۃ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۹

[353] الدر المختار کتاب السرقۃ فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

فظهر ان معنی عند لا يشيد علی ما بينا من مفاد بين يديه ولا دلالة لشيئ منهما ان لا اذان داخل المسجد فضلا عن كونه لصيق المنبر ولكن اذا رسخ فی القلب وهم فكلما يسمع يتوهمه بمعناه كما قيل لسغبان واحد مع واحد كم يصير قال خبزان۔	مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو ہی چیز اس کے خیال میں جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے دو ۲ روٹی۔
نفحه۴: استبان مما بان و لله الحمد جهالة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فی المكان وتارة فی الاعتقاد نحو ان يقال عندی كذا وتارة فی الزلفی والمنزلة[354] وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب[355]" وبان ترجمته بالفارسية نزد و بالهندية	**نفحہ ۴:** الحمد للہ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لیے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کے لیے ہوتا ہے یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں عند قرب بیان کرنے کے لیے ہے۔" عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

[354] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[355] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ بالنفس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹/ ۲۲۴

پاس وقد افدنا ك من موارد القرب ما يغنی عن اعادته و جمیع الایات التی تلونا انما ترجمو اعنع فیها باللسانین بلفظة "نزد پاس" مع ما فیها من العرض العریض کما بینا۔ وكذلك فی "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ"[356] "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ"[357] وغیر ذلك مما لا یخفی علی الصبیان، وقد سئلنا هم مرارا عن مسئلة فقهیة فلم یجب احد منهم الی الان و کیف یجیبوا وما لهم به یدان واذا بزغ الحق کلا اللسان۔ صورتها زید صنع منبرا تبلغ قیمته دینارا اعشرة دراهم او اکثر وهو خفیف بحیث یذهب به رجل واحد لا ینؤا به ولا یؤدة شیئ من	میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لیے آیات کے اعادہ کی ضرورت اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور آیت اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور وہ کیسے جواب دیتے وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھالے جائے اذان منبر

[356] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[357] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

حمله واذھابه فاذا اناء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیرہ من مابب لکه ثم اذا فرغ یردہ الیه وذات یوم قضیت الصلوۃ اونتشروا فی الارض والمنبر بعد فی مکانه ومالکه قام بحذائه علی باب اٰخر مستترقا وحانت التفاتة من زید فاخذ المنبر واشرد فحل یقطع ھذا الواھابی السارق شرعا ام لا فان قالوا لا فقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا من سرق من المسجد متاعا وربه عندہ بحیث یراہ قطع[358] وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عندہ لیکون محرزا بالحافظ اذا المسجد لیس بمحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدودہ او فنائه حذاء

کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے بعد نماز لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا اس اثنا میں ایک وھابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے کیونکہ مسجد حود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ مسجد کے دروازے

[358] بحر الرائق کتاب السرقه فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۹، الدر المختار کتاب السرقه فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فبثت ان الاذان عند المنبر و ذلك ما اردناہ وللہ الحمد حمدا کثیر اطیبا مبارکا فیه کما یحبه ویرضاہ۔	کے پاس اس کے فناء میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے یہ تو ہمارا دعوی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہوا اور جسے پسند کرے۔
نفحہ ۵: لئن نزلنا الی مثل مدارکھم فلا شك ان عند ظرف زمان و مکان قال تعالٰی: "خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"[359] ای ثیابکم وقت کل صلوۃ والوقت یضاف الی الامکنۃ والاجسام ایضا اذا کان له اختصاص بها قال تعالٰی: "یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"[360] انما حنین اسم مکان و کذا یوم بدر یوم احد یوم الدار لیلۃ عقبۃ لیلۃ المعراج لیلۃ الغار فی الصحیحین: "من لها یوم السبع"[361] سبع بسکون الباء مکان المحشر	**نفحہ ۵:** اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرف زمان اور مکان دونوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو ارشاد الہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے" حنین ایک جگہ کا نام ہے یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لها یوم السبع" سبع کا لفظ با کے سکون کے سات بھی مروی ہے

[359] القرآن الکریم ۷/ ۳۱

[360] القرآن الکریم ۹/ ۲۵

[361] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

او بضمتها الحیوان المفترس وعلیه الاکثر ولا شك ان لهذا الوقت اختصاصا بالمنبر وقته وحینه۔ **نفحه۶:** احتجوا بقول بعضهم علی المنبر فمن هؤلاء من یفسره بعند وقد علمت ان لیس فی عند مایقرأ اعینهم واجهلهم یقول "علی" ههنا بمعنی الباء یرید ان الباء اللالصاق فکان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء لیس قطعا بمعنی الاتصال الحقیقی تقول مررت بزید اذا امررت بحیث تراه و ان کان بینکما اکثر ممابین المنبر والباب قال تعالٰی: "وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴿۱۰۵﴾"[362] ههنا لفظة علی نفسها وانت لایبلغ الاسباب اسباب	تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہوگا اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنی اذان وقت منبر ہو کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔ **نفحہ۶:** اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لیے آتا ہے تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا باء کے معنی میں ہوا خود محل نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں عربی کے اس قول مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دوازہ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا اللہ تبارک وتعالٰی

[362] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۵

السموات حتی تلتصق بآیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتی بعلی تاکیدا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔ **فاولاً:** قد اجمع العقلاء ان اللفظ متی احتمل الحقیقة لا مجاز عنها الی المجاز و معلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذلك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری: "اما علی فللزام باعتبار اصل الوضع[363] اھ"	ارشاد فرماتا ہے: "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لیے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان کی وزمین کی دوری تھی اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہا کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لیے ہے مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔ **اولاً:** تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ آول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں: "علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔"

[363] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بحث حروف البحر کلمة علی دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الھمام وتقریر الامام ابن امیر الحاج:"وھو ای اللزوم ھو بمعنی الحقیقی"[364] اھ وفی الرضی الکافیۃ منہ سر علی اسم اللہ تعالٰی ای ملتزما"[365] قال ربنا عزوجل "فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ"[366] ای ملازمۃ للحیاء۔ ولا شك ان ھذا الاذان انما کان لازم ملازم للمنبر فانی تو فکون۔ **ثانیًا:** الیست "علی" للمصاحبۃ، قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان علی حرف جر لھا معان (الی ان قال) ثانیھا للمصاحبۃ کمع نحو "واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ، وان ربك لذو مغفرۃ الناس علی ظلمھم"[367]	تحریم امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے: "لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں"۔ اور رضی شرح کافیہ میں ہے اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اس کو لازم پکڑو۔" قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ارشاد الٰہی ہے: "ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی" یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھی۔ اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کو کدھر پلٹ رہے ہیں۔ **ثانیًا:** علی مصاحبت کے لیے ہے امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں "علی "حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے جیسے لفظ مع قران عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمھارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)"

[364] التقریر والتحبیر مسئلۃ علی الاستعلاء حسا دار الفکر بیروت ۲/۷۶

[365] الرضی فی شرح الکافیۃ حروف الجر حرف "علی" دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۴۲

[366] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۵

[367] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۹۸

وفی الحدیث"زکاۃ الفطر علی کل حر وعبد"[368] قال فی النہایۃ"قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرۃ وانما تجب علی سیدہ"[369]اھ"وفی القاموس: "والمصاحبۃ کمع""واتی المال علی حبہ"[370]وفی الفتوحات الالہیۃ تحت قولہ تعالٰی "تمشی علی استحیاء "علی بمعنی مع ای مع استحیاء"[371]ولا شك ان ہذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذا انتم المستدلون۔

ثالثًا: قال ربنا عزوجل:"وَ

اور حدیث شریف میں ہے زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے"نہایہ میں فرمایا علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہو تو مالک پر ہے(تو مطلب یہ ہو کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے) قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے: "مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کے لیے آتا ہے جیسے اتی المال علی حبہ "اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا: علی مع کے معنی میں ہے یعنی شرماتے ہوئے اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں آپ کے مراد لیے ہوئے معانی مجازی ہوئے اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہو ا اور احتمال استدلال کے لیے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

ثالثًا: اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور

---

[368] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۸۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲/ ۲۷۷

[369] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبہ اسلامیہ ۳/ ۲۹۶

[370] القاموس المحیط فصل العین باب الواؤ والیاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۶۸

[371] الفتوحات الالٰہیۃ الشہیر بالجمل تحت الآیۃ ۲۸/ ۲۵ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۴۴

اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ج"[372] قال فی الاتقان والفتوحات الا لهية(ای فی زمن ملکه[373])،و فی مدارك الامام النسفی:"ای علی عهد ملکه وفی زمانه[374]"اھ ولا شك ان هذا الاذان علی عهد المنبر وفی زمانه، فرجعت الی معنی عند الزمانية۔	انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں مدارک امام نسفی میں ہے یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہو گیا۔
رابعًا: اصل الکلام انهم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی و ترك العمل هل هو الاذان الاول کما هو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه ام اذان الخطبة لانه لم یکن عند نزول الکریمة وغیره وبه قال الامام الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایة کلامه هکذا قال الطحاوی: انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنهما[375] اھ	**رابعًا:** اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لیے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیّہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں شمنی نے نقل کیا) امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ پہلی اذان عہد رسالت اور ابوبکر و عمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

[372] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲
[373] الفتوحات الالهية الشهير بالجمل تحت الاية ۲/ ۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸
[374] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الاية ۲/ ۱۰۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۶۵
[375] مرقاۃ المفاتیح بحواله الطحاوی باب الخطبه والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

وفی مرقاۃ علی القاری:"قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهده علیه الصلوۃ والسلام و زمن الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما[376]۔ وهکذا اکما تری لا مثار لوهمهم فیه وکان بعض المتاخرین اختصر واا مقاله ولیراجع اصل لفظه رحمه اللہ تعالٰی عنه فانی ارجوا ان لا یکون فیه ما اوقعهم فی الوهم وکیف ماکان فانما استدل بانه الذی کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنهما وهکذا ذکر فی دلیله من عبره بالاذان علی المنبر عند المنبر کالکافی والکفایة والمبسوط وغیرها ومعلوم قطعا انه لم یکن علی عهد رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر ولذا احتاج هؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند او الباء او	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔" ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی بھی بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے عہد مبارک میں ہوتی تھی، اور سب کو معلوم ہی کہ اذان خُطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لیے توان علماء نے بھی علی کو عند

376 مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب الخطبة والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبه الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

البنا لغة فاذن يجب حمله ما كان عليه فى زمنه الكريم وكما لم يثبت كونه فى عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فوق المنبر، كذلك لم يثبت كونه ملاصق المنبر، او عند المنبر بالمعنى الذى يزعمون وانما ثبت كونه على باب المسجد فيجب ان لا يحمل الا على ما يوافقه عند كان او على ولكن الانصاف قد عز فى الاخلاف۔ **نفحہ۷:** لئن تنزلنا لهم عن جميع هذه التحقيقات التى ذكرنا بتوفيق ربنا على الاعلى فى "عند وعلى"۔ **فاولًا:** ما قولهم "المعتبر الاذان على المنارة او الاذان على المنبر او عند المنبر" الا حكاية حال للتعريف ويعرف كل احد حتى الصبيان انه ليس بحكم وقولهم "لا يؤذن فى المسجد، ويكره الاذان فى المسجد حكم والعبرة بالحكم الا بالحكاية۔ **وثانيًا:** الاذان الذى كذا	کے معنی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لیے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہورہا ہو۔ **نفحہ۷:** اگر ہم عن اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔ **اولًا:** ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیے)۔ بخلاف ان اقوال کے جب میں مسجد میں اذان ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے اور اعتبار حکم کا ہے تعارف وحکایت کا نہیں۔ **ثانیًا:** یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

بیان علامۃ لہ فلا یدل علی جوازہ فضلا عن استنانہ قال الامام الاجل ابو زکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامۃ المحدث طاہر فی مجمع بحار الانوار:"ان العلامۃ تکون بحرام و مباح"[377] اھ. ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان و الامراء الناس فمن لایعرف السلطان سال عالما من فیھم الملك الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف فقال الذی علی راسہ تاج الذھب ھل یکون ذلك حکما منہ بجواز لبس الذھب للرجال کلاّ علماؤنا قد ارشدوا لی الحکم ان لایؤون فی المسجد ومع ذلك لا شك ان لو فعل فیہ کما یفعل ھٰؤلاء لکان موجبا للسعی و ترك البیع علی قول لامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ بہ بیانا لحکم السعی کان ماذا۔

جگہ ہوتی ہے) علامت ہے اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا" کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے"۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ امراء اور عوام سبھی جمع ہیں ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہنچوایا گیا تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہو گیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے؟ تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہوگی ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[377] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۲

ثالثًا: الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی، والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمنیا الم تسمع الی ما قال له العلماء فی حدیث علیه السلام تحیۃ الموتٰی[378]۔	**ثالثًا:** قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے ایک موضوع کے وصف کا صدق پ ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعا معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نا معتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے: "علیک السلام مردوں کا سلام ہے"۔
رابعًا: بعد التیا والتی ان کان فمن باب "الاشارۃ" وقولهم لا یوذن فی المسجد ویکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ" وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم والفتیا بالمرجوح جهل وخرق الاجماع کمافی تصحیح القدوری والدر المختار[379]۔	**رابعًا:** تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر اسے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا اور فقہاء کے قول "لا یؤذن فی المسجد ویکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃ النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے اور در مختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

[378] المصنف العبد الرزاق باب کیف السلام والرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱/۳۷۴

[379] الدر مختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

وخامسًا:فی معا نه انو اع الا حتما ل والنصا ن صریحان والمحتمل لا یعارض الصریح و اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔ وسادسًا:مع قطع النظر عن کل ما مر غایته تعارض حاظر و مبیح فیترجح الحظر بل الامر اذا تردد بین السنة والکراهة کان سبیله الترك کم نص علیه فی رد المحتار[380] والبحر وغیر هما لان درء المفاسد اهم من جلب المصالح [381] وفی معراج الدرایة للا مام القوام الکاکی ثم منحة الخالق غض البصر مکروه والجماعة سنة فترك السنة اولی من ارتکاب المکروه[382]اه. فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرة الا علیهم ولله الحمد فهذا عشرة أجوبة عن "عند" وعشرة عن "علی" ولله الحمد العلی	وخامسًا: اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہو سکتا اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔ سادسًا: جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی غایت حظر واباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہوگی بلکہ امر جب سنت و کراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترک سنت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، معراج الدرایہ اور منحۃ الخالق میں ہے غضِ بصر مکروہ اور جماعت سنت ہے چنانچہ ترک سنت اولی ہے ارتکاب مکروہ سے بہر حال نصرت ہمارے لیے اور وبال ان پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں اور علی سے متعلق بھی دس جواب ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

[380] ردالمحتار باب مایفسد الصلوۃ ۴۳۱/۱ و البحر الرائق باب العیدین ۱۶۵/۲

[381] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲۵/۱

[382] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۳۲/۱

الاعلی۔ وانت خبیر ان کل ما ذکرنا فی ھذہ النفحۃ الاخیرۃ فانما ھو علی غایتہ التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقہاء الکرام بمالا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال واما المکابر فداءہ عضال نسال اللہ العفو والعافیۃ۔ **نفحہ۸:** اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیہ فی اذان الخطبۃ ایضا ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدیۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل:"ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ. ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك. ثم لما تولی ھشام بن عبد الملك اخذ الاذان	اعلی کے لیے ہیں۔ اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کرکے، اور بطور مناظرہ۔ ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی گنجائش ہی نہیں بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے رہ گیا مکابرانہ کلام تو ئی ایک گمرہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ **نفحہ ۸:** ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہہ ہے امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر وعمر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنھم کے ابتدائے خلافت تک رہا، اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا (یعنی جب خطیب مبنر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن عبد الملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذان اول کو مقام زواراء سے منارہ کی طرف

الذی فعلہ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بالزوراء و جعلہ علی النار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عہد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر و عمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بین یدیہ قال علماؤنا رحمہم اللہ تعالٰی علیہم و سنۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولی ان تتبع[383] اھ"(باختصار)۔ وحواشی الجواہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیہ اہل المغرب الی الان وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزنی وقد نہی عنہ مالک فعلہ علی المنار والامام جالس ھو المشروع[384] اھسکندری۔ وفی المواہب اللدنیۃ للامام احمد القسطلانی وشرحہا للعلامۃ محمد	منتقل کیا اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی اس کو امام کے سامنے دلانے لگا ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عملدرآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزنی نے مکروہ لکھا ہے امام مالک نے اس سے منع فرمایا امام کے مبنر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔ مواہب الدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰی

[383] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۲۱۲

[384] حواشی الجوہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمهما الله تعالٰی قال الشیخ خلیل ابن اسحق فی التوضیح اسم شرحه علی ابن الحاجب: "اختلف النقل هل کان یؤذن بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم او علی المنار الذی نقله اصحبنا انه کان علی المنار نقله ابن القاسم عن مالك فی المجموعة ونقل ابن عبد البر فی کافیه عن مالك رضی الله تعالٰی عنه ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[385] الخ۔"وسیاتی تمامه بعونه تعالٰی۔ فهذه نصوص الامام مالك واصحابه علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعة من راسه فضلا عن کونه فی المسجد وانما السنة فیه ایضا کاذان سائر الصلوات کونه علی المنار فظهر ان ادعائهم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریة منهم وای اجماعة یقوم مع خلاف امام دار الهرة وجماهیر اصحابه رضی الله تعالٰی عنه وعنهم وکذا کذب من	نے فرمایا: "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جو ابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ "اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کی ابن عبد البر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو تو مخالفین کا یہ افتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہوسکتا ہے تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لیے کافی ہے جبکہ اس

[385] المواهب اللدنیه المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲-۱۶۱، شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷/ ۸۱ - ۳۸۰

ادعی اجماع المذاهب الاربعة ولعل مالکا لیس عنده من الاربعة هذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیة بکراهة الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ولانعلم خلافا فیه عن غیرهم فلا یبعد ان الاجماع علی خلاف ما هم علیه وبالله التوفیق۔

نفحه۹: وبه ظهر بطلان زعمهم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع هذا الاذان داخل المسجد لضیق المنبر ألم تسمع السکندری ثم السفطی "ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان[386]" ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیة مبنیة فیها دکك لهذا الاذان بعیدة عن المنبر وعلیها یفعل الی الان وقد قدمنا انه اذان خارج المسجد لکن العوام لا یعلمون ظاهرا من الحال وعن الحقیقة هم غافلون واذ لم یهتدوا لها ظنوه اذانا فی المسجد فعن هذا نشأ وافشا فیهم هذا ثم قاسوا علیه اذان سائر الصلوات اذ لا فارق

مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ ۹: مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں اور یہی ان میں شائع وذائع ہے اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

---

[386] حواشی الجواهر الزکیه شرح المقدمة العشماویه للعلامة یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلوۃ یقوم احدهم اینما شاء من بیت الله فیرفع عقیرته بالاذان واذا قیل له اتق الله قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنه عندهم منسیا وتصریحات الفقه شیئا فریا احدثوا تعاملا فیما بینهم علی خلاف الشریعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذریعة والی الله المشتکی وهو المستعان۔"

ولم یعلموا ان مثل هذا التعامل لا حجة فیه والا لکان الکذب والغیبة والنمیمة اجدر بالجواز فانها اکثر تعاملا وافشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخیر قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم یفشو الکذب[387]

قال فی فتاوی الغیاثیة اوخر کتاب الاجارة عن السید الامام الشهید رحمه الله تعالٰی انما یدل علی

قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں اور جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے اور حکم شرع کے ابطال کے لیے اسی کو دلیل بنالیا ہے تو اللہ تعالٰی سے اس کے لیے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں ورنہ جھوٹ غیبت، چغلی خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"

صاحب فتاوی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا: "وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے جو

[387] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذلك لا یکون فعلهم حجة الا اذا ن کا ن ذلك من النّاس کافة فی البلدان کلها الا تری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی بالحل اھ[388]

وفی جمعة رد المحتار "التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذکان عامامن عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به[389]"

وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر مانصه: "هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیتا عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة[390]۔"

وفی المکتوب الرابع والخمسین

صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو اور ایسانہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہوتا اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ ان اگر سب جگہ کے سب لگ شراب پینے لگیں سودی کاوبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔"

ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ و مجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو ایساہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔"

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے یہ اجماع اکثری ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیاجائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہو گا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

---

[388] فتاوی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النسا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[389] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

[390] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۲

من الجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد العمری السرھندی الشھیر بمجدد الف ثانی ما ترجمته: "غمرت الدنیا فی بحر البدعات و اطمأنت بظلمات المحدثات من یشتطیع دعوی رفع البدعة التکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماة البدع و محاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازھا بل استحسانھا و یدلون الناس علی اتیانھا یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل ھذا التعامل بشیئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرہ بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال ولا شك ان العلم بتعامل الناس کافة و عمل جمیع القری و البلدان خارج عن وسع البشر[391] اھ"۔ واکثر المخالفین لنافی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانھم من غلمان ھذا الشیخ و قد قری علیھم قوله ھذا مرارا افلا یسمعون	کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب نمبر ۵۴ میں ہے: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگاچکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں اور بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہین اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اھ" مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے

[391] مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ و چہارم نولکشور لکھنو ۲ /۱۰۳

ولا ینتھون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم، فھم بفتوی الھوی یعلمون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ قال العلامۃ الشامی فی ردالمحتار من الاجارات وفی رسالتہ"تحریر العبارۃ"وفی کتابہ"العقود الدریۃ" کلھا عن العلامۃ قنالی زادہ(عہ)"ان المسئلۃ النباء والغرس علی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان واذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم وھم ظالمون وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھذا تحریك فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان	وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں)مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے دراصل(حضرت مجدد)کے بجائے انہوں اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت طلب کرتے ہیں۔ علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ رسالہ تحری العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں اور بعض صدر واکابر ان کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدرآمد ہوتے رہنا چاہیے کہ

عـــہ: ھکذا فی ردالمحتار طبع فی قسطنطنیۃ وفی تحریر العبارۃ قنلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدرۃ منلی زادہ بالمیم ۱۲منہ

عـــہ: یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور تحریر العبارۃ"میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقودالدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲منہ(ت)

شر الامور محد ثا تہا ولا یعلمو ن ان الشر فی اغضا العین عن الشرع وا ان احیاء النسۃ عند فساد الا مۃ من افضل الجہاد واجزل القرب[392] اھ. وفی تحریر العبارۃ فعلم بھذا ان ھذہ علۃ قدیمۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[393] اھ وفی ردالمحتار:"اذا تکلم احد بین الناس بذلک یعد ون کلامہ منکر امن القول و زورا وھذہ بلیۃ قدیمۃ[394] اھ"وفیہ وفی العقو د الد ریۃ:"وھذا علم فی ورق۔[395]" وھذہ لعمرك حال الناس فی تھالکھم علی ھذا المحدثو	ہر بات سے بری نئی بات پیدا کرنا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کہ شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ اور اسی (ردالمحتار میں ہے) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔" واللہ! اس اذان ممنوع و محدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے، اور

[392] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ما یجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، تحریر العبادۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسا ئل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[393] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[394] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ما یجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰

[395] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ما یجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، العقود الدریہ کتاب الاجارۃ مسئلہ استبقاء البناوالغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۲۵

هذه هى اعذار هم فى ايقاعه والقاء السنة والله المستعان ولاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم۔

نفحه۱۰: اذقد ظهران لا تعامل الى الآن فما ظنك بالتوارث الذى به يلهجون واذا اخذوا بالحديث والفقه فهم يتلجلجون۔

ويا سبحان الله انما التوارث التعامل فى جميع القرون فاذا لم يتحقق الى الان كيف يثبت من سالف الزمان اذ قد ارشد الحديث الصحيح ان الذى فى عهد الرسالة والخلافة الراشدة كان على خلاف ما يزعمون فانى يصح التوارث والى من يسندون وعمن يرثون قال المحقق حيث اطلق فى فتح القدير مسالة الجهر فى الاولييين والاخفاء فى الاخريين قوله هذا هو المتوارث يعنى انا اخذنا عمن يلينا الصلوة هكذا فعلا وهم عن يليهم كذلك وهكذا الى الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فلا يحتاج الى ان ينقل فيه نص معين[396]۔

سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بارد ہ تراش رکھے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نفحہ ۱۰: جب یہ ظاہر ہو گیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں اور جب حدیث و فقہ ت ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہو سکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہو گا اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا تو کہاں سے توارث ثابت ہو گا کس سے اس کی نسبت ثابت کرینگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار یں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولیین میں قراءت جہری اور اخر یین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا اور انہوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم تک، اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں،

[396] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فهذا معنى التوارث المحتج به شرعا مطلقا المستغنى عن ابداء اسند خاص وانی لهم بذلك وكيف يصح فيما قد علمنا وعن صاح الوحی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و عن خلفائه الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم خلافه۔	یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعا دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔"
اقول: وتحقیق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصیلًا ای مع العلم بانه حدث فی الوقت الفلانی (۴) والعلم به اجمالا ان علمنا انه حادث ولانعلم متی احدث ومن احدث فالشیئ اذا کان ناشیا متعاملا به فی عامة المسلمین وعلمنا انه هو الذی کان علی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم فهو القسم الاول وهو المتوارث الاعلی واذلم یعلم کیف کان الامر علی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولا علم حارث بعده صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیحمل علی ان کلا قرن اخذه عن سابقه و یجعل متوارثا تحکیمًا للحال	**اقول:** (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔ جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع و ذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا یہ قسم اول ہے اور اسی کو متوارث اعلی بھی کہتے ہیں اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا،

حملا علی الظاھر والاصل اذ الاصل فی الامور الشرعیۃ ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والعمل بالسنۃ ھو الظاھر من حال عامۃ المسلمین وھذا ھو القسم الثانی"وھذا ما یقال فیہ انہ لا یحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثہ فلا یمکن جعلہ متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سواء علمنا وقت حدوثہ اولا، لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعًا انہ حادث ولانعلم متی حدث کاھرام مصر بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولھا من قنادیل الذھب والفضۃ ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصۃ الوفاء:ولم اقف علی ابتداء حدوثھا الخ[397] وحینئذ ینظر ھل یخالف

تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں یہ متوارث کی قسم ثانی ہے،اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ۔کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا:"ہمیں ان کے ابتداء حدوث کا وقت نہیں معلوم تو ایسے نوپیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب

[397] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۴

هذا سنة ثابتة فی خصوص الامر اولا۔علی الثانی یحال الامر علی حال الشیئ فی نفسه فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علی تفاوته من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیه القواعد الشرعیة،وقد یطلق علیه "المتوارث" اذتقادم عهده کذکر العمین الکریمین فی الخطبة،وهذا ادنی اقسامه ولا اطلاق له علی ما دونه الله مر الا لغة، کتوارث التقیة فی الرافضة والکذب فی الوهابیة وان کان قبیحا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوته من الکراهة الی التحریم اولاولافلاولا بل مباح عـــه والخروج عن العادة شهرة ومکروه کما نصوا علیه[398]۔وورد	قواعد شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہی۔ں تو یہ توارث کا سب سے ادنی درجہ ہے اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا ہاں توارث لغوی ہو سکتا ہے جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے اور جھوٹ وہابیہ میں ابًا عن جدٍ رائج ہے اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہد رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے، نہ قبیح ہے، نہ مستحب، ہاں جب شہر وعلاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ

عـــه: بیاض فی الاصل۔

[398] الحدیقة الندیة من آفات السحر فهو حرام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقھم"[399] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "بشروا ولا تنفروا"[400]۔ وعلی الاول یرد ولا یقبل وان فشا ما فشا وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شیئ تغیر فیہ الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفا للسنۃ الثابتۃ بل موافق لھا وان وان خالف الواقع فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الواقع لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لوکان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکان فھذا ھو التحقیق و معلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی	علماء عــہ نے فرمایا کہ لوگوں ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو اور حدیث شریف میں ہے "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ" سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہوگیا جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ پُرنور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے ایسا نوزائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہوگئی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

عــــہ: حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامۃ ص ۲۰ رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[401] ۱۲ نظام الدین۔

[399] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیہ دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲ و ۳۵۴

[400] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[401] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ حاکم کتاب السماع والوجد دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث ان لم نعلم متی حدث۔ونعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذلك ولیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان ومع هذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه،بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه ودلت الادلة علی قبحه وشناعته کما تقدمه کل ذلك فثبت انه یستحیل جعله متوارثا بل هو من المحدثات المرودة قطعا،والحمد لله،وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبداء یؤخره جدا،لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات،وزعم انه

ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے (کما قالت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنھا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے، اور ئی ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ساری تفصیل گزر چکی، تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے اور یہ قطعاً یقینا بدعات مردودہ میں سے ہے اس سے یہ امر بھی روشن ہو گیا یہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی بتداء نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نوپید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فریۃ بلا مریۃ واحتجاج التانوی الوھابی لہ بانہ لما قال فی الھدایۃ اذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی الامام بذلك جری التوارث[402] اھ قال علیہ امام العینی فی البنایۃ ای فی زمن عثمان[403] اھ ولا یمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلا بد ان یر ادبہ کونہ لدی المنبر متصلا بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لا قبلہ اھـ وما زعم الوھابی المفتری وھذہ فریۃ فوق فریۃ. ولقد صدق رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت"[404]۔ فان عبارۃ البنایۃ ھکذا "م بذلك ش ای بالا اذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی	کہ اکا حدوث توزمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شبہہ ایک افتراء ہے۔اور وہابی تھانوی کاہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان رضی اللہ رتعالٰی عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے اذان ہونا کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے۔اور اسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل،ہدایہ او عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہوگئے ہو تو جو چاہو کرو" پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہوگیا کہ منارہ

[402] الھدایہ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

[403] البنایۃ فی شرح الھدایہ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ جلد ا جزء الثانی ص ۱۱۴

[404] امعجم الکبیر حدیث ۶۵۸و۶۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷و۲۳۸

المنارة مر به جری التوارث من زمن عثمان بن عفان الی یومنا هذا" اھ[405] فالاشارة الی التاذین بعد التاذین۔ لا الی التاذین بین یدیه۔ ولکن الوهابية قوم یفترون۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔	پر پہلی اذان ہو اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے" حضرت مام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشاء الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔ اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افترا پرداز ہوتی ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
وکذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالکیة فی التاذین بین یدی الامام لقولهم انه محدث وانما کان هذا الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنهم علی المنار ایضا کما تقدم وقد رده محققوهم وبینوا ان هشام لم یتغیر هذا الاذان شیئا انما غیر الاذان الاول الذی احدثه عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه کان یفعل بالزوراء	(یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لصیق المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا" زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مرکوہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی، ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

[405] البنایه فی شرح الهدایة کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة المجلد الاول، الجزء الثانی ص ۱۰۱۴

فنقله هشام الى المسجد على المنارة۔ قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة الله تعالٰی علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة یحرم الاشتغال عن السعی عند اذان الخطبة وهو معهود) فی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم. (فلماکان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء اھ ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الاٰخر بین یدیه بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ماکان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار[406] اھ باختصار۔	بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی، وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان ومابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔) چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح مٰن فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود ومعروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ آیا اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئ تو حضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا (پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو سامنے لایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جو اذان مقام زوراء پر دلوانی شروع

[406] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷ /۳۷۹

ولئن فرضنا ان ھشامًا ھوالذی غیر السنة فمن ھشام وما ھشام حتی یعتبر بتغییرہ ویوخذ بفعله وتترك سنة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وخلفاءہ الراشدین لاجله لایرضی به احد من اھ الدین۔ و نسبة الوھابی ایاہ الی ائمة الھدٰی مالك وابی حنیفة وغیرھما رضی اللہ تعالٰی عنهم . انهم اتبعوا ھشامًا فیه وترکوا السنة الجلیه افتراء منه علیهم وسبة غلیظة فی حقهم حاشاھم عن ذٰلك . ولکن اذ قدّ الخبیث اذ قد سب محمدا وسب رب محمد جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ باللہ من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ **نفحہ ۱۱:** واذ قد طولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی	کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا، اھ بالاختصار۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنت رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک وابو حنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افتراء پردازی ہے، اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے، ان کا دامن اسی آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کر دیا اور اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دیا اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا، ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ **نفحہ ۱۱:** ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس اب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

عليه وسلم فهل نص عليه احد، او عند كم عليه من دليل، ام انتم شاهد تم زمنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم، ام كل ماترونه في زمنكم فهو مستمر من زمنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم جاءهم عــه اضطرار الغريق الى التشبث بكل حشيش فتمسكوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الهداية والهندية: اذن المؤذنون بين يدى المنبر وبذٰلك جرى التوارث[407]۔ "وهذا كماترى نزغة من جهمهم بمعنى بين يديه كما عرفت مفصلاً۔ فقول الهداية حق وهداية، و فهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم جهل وغواية۔ واما المعقول فهو انه لم يكذر في شيئ من التواريخ ان هذا الاذان سرى اليه التغيير بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فعلم انه كما يفعل الأن كان هٰكذا يفعل

نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کر رہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لیے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ "موذن نے منبر کے سامنے اذان دی، اور اسی پر توارث ہوا۔" ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انہوں نے سامنے کے معنٰی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے، تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے، ان کی جہالت ہے۔ اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

عــــہ: فی الاصل ھکذا ولعلہ الجاء۔

[407] الہدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۵۱، الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۴

علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وهذا قول من لیس له من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ماوجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود، ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل هذا فاذقد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خلاف ماشاع فی هٰؤلاء فالتغیر ثابت لامرد له افترددون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعر لبیان التغیر، ولکن الجهل اذا تملك لم یخش الفضوح والتغییر، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحه ۱۲: لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقه، الا تری ان اجل توارث واعظمه واهیبه وافخمه توارث اهل الحرمین المحترمین زادهما الله تعالٰی عزا وتعظیما واهلهما فضلًا وتکریمًا

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئی کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔ اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم کرلیا جائے، تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھا آج اس کے خلاف کیا جارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول میں تغیر ہوا، تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خموشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار دلانے کی قطعًا پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ ۱۲: اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم وبزرگ اور پرہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیماً کا توارث ہے، وہ بھی قرون اولٰی کا مگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الأولی ومع ذٰلك لم یسلمه اما منا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة: "لایوذن لصلٰوة قبل دخول وقتها ویعادفی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابو یوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هٰکذا ومدیده عرضًا [408]اھ" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة:"قوله والحجة علی الکل ای علٰی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الأخذوالماخوذمنه[409]اھ"فاذاکان هذا فی نوارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فماظنك

اور تمام اہل فتاوٰی اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالناہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہااللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ دوجب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔ اورآپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔" حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا امام شافعی، قاضی ابویوسف اور اہل حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔" تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھر ان مدعیوں کے

[408] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب الاذان المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۶۷ تا ۶۷

[409] العنایة علی هامش فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۱

بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلاً عن ان یکون حجة علی الشرع واللّٰه یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه۱۳: ظهر بهذا وللّٰه الحمد وهن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین اشریفین فمع ان هذا الاذان فی مکة زادها اللّٰه شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلوٰة و السلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط علی القاری وغیره فاذن محل الاذان الاٰن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔وفی المدینة المنورة صلی اللّٰه تعالٰی علی من نورها وبارك وسلم علی دکة بازاء المنبر فامر قدمت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثها کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔بس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف مس مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے، تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ مورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے ما قابل ہے۔تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔تو ان سے

تقدم فیکیف یحتج بہ، واللہ الھادی۔

اذعلمت ان امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجمیع ائمۃ الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین وتبعھم من اھل الحرمین الشریفین لمخالفۃ الحدیث فما ظنك بفعل مؤذن الزمان وھل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجھر بکلام لمستمع الخطبۃ ولو کان صلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوترضیا للصحابۃ اودعاء للسلطان اعزاللہ نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ اللہ تعالٰی۔ الیس قد اجمع ائمتنا علی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا و فوق ذٰلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قداقام علیہ النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلٰوۃ من یفعلہ ای وکذاصلٰوۃ من یصلی بتکبیرہ و تبعہ علیہ فی الحلیۃ والنھر والدرر وغیرھا وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامۃ اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ تلیمذ

اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے۔

جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتوٰی نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ توآج کل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے، کیا کسی حنفی کو یہ اجزت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے، اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعاء خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟ اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبّر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔" یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبّر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبان حلیہ ودرر ونہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی سید عالمہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامة شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر معاصر المدقق العلامة محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمھم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا مایفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔

وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھٰؤلاء الوھابیة الملاحدة الزنادقة السابة للہ ولرسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعة قد برأھم اللہ تعالٰی عنھا۔ والوھابیة قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقة فضلًا عن اعمالھم الحسنة کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالٰی

شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر کے شاگرد ہیں۔اور صاحب در مختار کے ہمعصر ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے،انہوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود ومشہور ہیں، اوران کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو،نہ علماء کا زیر فرمان ہو۔لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اوران کے حق فتووں کی اقتداء نہیں کرتی،توان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کریں گی!ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انہیں سادات حرمین کا فتوٰی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوٰی نہیں ہے؟توا گر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟اوراقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں توان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو توانکار کتنے کا حق ہے۔(ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طالب ہیں، اوراس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے،

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ ۱۴: قدمنا من الخطبۃ ثم فی الاجمال فی بحث الوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فراجعہ فانہ مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم، ومن الدلیل علی ماذکرت ان العالم الدلیل علی امذکرت ان العالم ینکر فلا یسمع ماقدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنۃ[410]، وعلٰی ماذکرت ان العالم یسکت حینئذ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قد مرجت عھودھم وخفت اماٰنتھم وکانوا ھٰکذا وشبک بین انا ملہ فالزم بیتك واملك علیك لسانك وخذ ماتعرف ودع ماتنکر وعلیك بخاصۃ امر نفسك ودع

نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ)

نفحہ ۱۴: توارث باطل ومظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق" کا الزام زائل کیا۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے، حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آپڑے گا۔ ہمارے اس دعوی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب ردالمحتار کا مذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اور اس امر کی دلیل کہ "بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر اخاموش رہتا ہے" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہود ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں، اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں

[410] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة۔" رواہ الحاکم [411] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما وصححه واقرہ الترمذی۔ وابن ماجة عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعًا وهوی متبعًا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رأی برایه ورأیت امرا لایدان لك به فعلیك خویصة نفسك ودع امر العوام [412]۔(الحدیث) ونظیر ما ذکرت من شیوع امر من قبل السلطنة ما فی الهدایة فی تکبیرات العیدین: "ظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما لامر بنیه الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول [413] اھ"	رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑدو۔" اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔ ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تاآنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اورلوگ دنیا کواختیار کر چکے ہوں۔ہر رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑواور عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔" اوراس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ: "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہورہا ہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی، (یعنی چھ زائد تکبیریں)۔"

[411] المستدرك للحاکم کتاب الادب دار الفکر بیروت ۴ /۲۸۲ و ۲۸۳
[412] سنن ابن ماجه کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۹
[413] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب العیدین المکتبة العربیه کراچی ۱/۱۵۱

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلا تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ابن بعضهم قدانکرعلی امیر المؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه وسقفه بالساج مکان الجرید۔قال الامام العینی فی العمدة:"اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی االواخرعصر الصحابة رضی الله تعالٰی ی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکارذٰلك خوفًامن الفتنةاھ[414]۔" ولا بن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم:"اذا رأیتم امرًالا تستطیعون تغییره فاصبروا حتی یکون اللهھو الذی یغیره[415]۔"	اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں،اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی،اس لئے دیوار قبلہ اوردونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزاراشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انہیں میں سے بعض امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انہوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:"ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا،صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے،بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔" ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا:"جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

[414] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۰۴

[415] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ ۷/ ۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/ ۲۰۱۷

والدليل على ماذكرت من اشتباه الامر فى ذٰلك على المتاخرين حتى العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشيخ المجدد وقد كان فى ماقررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبرفان لم يرض به المخالفون فهم الذين يقضون على اساتذتهم ومشائخهم اما بالجهل اوبالسكوت عن الحق وقد كانت لهم مندوحة الم يعلموا ان الخليفة الراشد امير المومنين عمر بن عبدالعزيز رضى الله تعالٰى عنه كم من سنن احياها وظلمات بدع اجلاها فكان له الاجر الجزيل والذكر الجميل والفخر الجليل ولم يكن عتب قط علٰى من قبله من الصحابة الكرام واكابرائمة التابعين الاعلام رضى الله تعالٰى عنهم انهم جهلوا الحق اوسكتوا عنه ولاقيل لامير المومنين انك تقحمت ما اجتنبوه او انكرت ما اقروه افانت اعلم منهم بالسنة اواتقى منهم للفتنة وعلٰى هذا درج امر كل مجدد فانه لايبعث الا لتجديد ماخلق وتشئيد ما وهى وربما كان من قبله اعلم منه واتقى۔ وكذٰلك غير المجددين

اوراس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا، حدیہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑگئے۔ شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کرچکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہوتو خود اپنے ہی شیوخ اوراساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اوربقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے، اور بجاطور پر باعث فخر ومباہات ہے لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابرائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یاآپ نے ان امور کا انکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، توکیاآپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اوران سے زیادہ ذکی وعلیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة او اخماد بدعة فاه یحمد ویوجر ولا یذم من مضٰی قبله ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر وھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی الله تعالٰی علٰی ابیه الاکرم وعیه وعلٰی اصوله وفروعه ومشائخه ومریدیه وکل من انتمٰی الیه، روٰی عنه الائمة الکبار باسانید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انه قیل له رضی الله تعالٰی عنه ماسبب تسمیتك محی الدین؟ قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا، فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،

معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت واماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول وفروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ یں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبدالقادر، فرددت علیه السلام، فقال ادن منی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسدة وحسنت صورة وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا، قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی الله تعالٰی بك وانت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلًا وقال یاسیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوة اهرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یامحی الدین، وما دعیت به من قبل[416] اھ کلامه الشریف۔"

قلت هذا وان بلغ اشده وبلغ اربعین سنة رضی الله تعالٰی عنه فلوان الاسلام لم یبلغ فی عهده رضی الله تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاه وعلامه سمی محی الدین وان کان بلغ الٰی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء

اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہوگیا سورت نکھر آئی اورارنگ چک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔"

میں کہتا ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

---

[416] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۰۹

علماء والیاء کانواقبلہ اھم کانوا عنہ غافلین اوترکوانصرہ حتی بلغ الی ذٰلك الضعف المبین۔ام تزعمون ان لارض کانت خلت عن ولی اللہ وعالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذھب الیہ عاقل ذودین۔ وانما الامرماوصفنا ان لمن احیالاحقااجرہ ولمن سکت سابقاعذرہ،والاشیاء مقسومۃ بید التقدیر القدیم "اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ "[417]۔ وبالجملۃ انماھم الشریعۃ یردون وباب احیاء السنۃ یسدون اذ کلماقام عبداللہ یحی سنۃ اویمیت بدعۃ یقال لہ الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاھلین،ام غافلین،ام انت اعلم منھم اجمعین، وما ھو الا تصدیق قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب[418]۔"وحدیث یکون المعروف	اولیاء فخام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے یا انہوں نے حق کی حمایت چھوڑدی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء واولیاء سے خالی ہوگئی تھی حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔ توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے،اور جو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے۔اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔اور اللہ تعالٰی ہی اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیروت مسجد شریعت کورد کرتے ہیں،اور احیاء سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاء سنت واماتت بدعت کیلئے اٹھے اسے یہ کہہ کر روکا جاسکتا ہے،کیا آپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں؟تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گا اور جھوٹے کو شاباش ملے گی، معروف ومشروع باتیں ناپسند

[417] القرآن الکریم ۳/۷۳

[418] المعجم الاوسط حدیث ۸۳۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۹۳

منكرًا والمنكر معروفا[419]۔کما قدمنا فهذا مايريدون والدين يكيدون وما يكيدون الاانفسهم ولكن لايشعرون۔نسأل الله العفووالعافية۔	ہوں گی اور منکرات کو قبول کیاجائے گا۔" یہ ان لوگوں کی مراداور حیلہ جوئیوں کاجواب ہے اور دین سے مکر کرتے ہیں اور مکرسے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتاہے۔ہم تواللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔
واذقدفرغنا بحمدالله تعالٰى عن ابطال ما توافقوا عليه فلنأت علٰى ماانفردبه بعضهم عن بعض وبالله التوفيق۔	یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہوچکے ہیں اوراب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیق خیر تواللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔
نفحه۱۵: ذكر بعضهم اثراجعله من رواية جويبر فى تفسيره عن الضحاك عن بردبن سنان عن مكحول عن معاذ رضى الله تعالٰى عنه:ان عمر رضى الله تعالٰى عنه امر مؤذنين ان يؤذناللناس الجمعة خارجا من المسجدحتى يسمع الناس وامران يؤذن بين يديه كماكان فى عهد النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر رضى الله عنه ثم قال عمر نحن ابتدعناه لكثرة المسلمين[420]۔	**نفحہ۱۵:** بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیاکہ: "حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیاکہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں،اوریہ حکم دیاکہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیساکہ عہد رسالت اورعہد صدیقی میں ہوتاتھا۔اس کے بعدآپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔"
فدل بمفهومه ان الاذان بين يديه لم يكن خارج المسجدودل بقول كماكان انه فى عهد النبى	اس حدیث کامفہوم مخالف یہ ہواکہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔اوراس اذان کے لئے یہ کہناکہ یہ اذان عہد رسالت

[419] فیض القدیر تحت الحدیث۹۹۸۹کان یجلس علی الارض دار الکتب العلمیة بیروت ۵/۲۶۲

[420] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضًا داخل المسجد۔	اور زمانہ صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔
اقول اولًا: قد اعطیناك فی النفحۃ التاسعۃ الفقھیۃ من معانی المسجد ما یغنیك ویعینك علی کل ما یاتیك من امثال ھذا التشکیك فامر مؤذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کامر فعلہ امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہم اذ زاد اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین ویشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ "حتّٰی یسمع الناس" وقولہ "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین"[421] فلا یدل ان دل الاعلی کون الاذان بین یدیہ داخل المسجد باحد ھذین المعنین وھو عین مرادنا "فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔"	**اقول**: (میں کہتا ہوں) اولًا ہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کر آئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں، اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں کہ حدود مسجد کے اندر ہو، مگر موضع صلٰوۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفا ہے۔
وثانیًا: انظروا الی ظلم ھٰؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامۃ ائمۃ الحدیث والفقہ علی توثیقہ، و	**وثانیًا** یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث صحیح کو تورد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں۔

[421] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

یحستجون باثر جویبر وما جویبر من ابن اسحٰق الا کالعتمة من الاصبح۔ رجل لم یذکر فی تھذیب الکمال ولاتذھیب التھذیب ولا تھذیب التھذیب ولا میزان الاعتدال ولا اللالی المصنوعة ولا العلل المتناھیة ولا خلاصة التھذیب مع الزیادات توثیقاً له عن احد من ائمة التعدیل انام ذکروا عنھم جرحه۔ قال النسائی وعلی بن جنید والدار قطنی "متروك"[422] قال ابن معین "لیس بشیئ ضعیف۔"[423] قال ابن المدینی "ضعیف جدا"[424]۔ "و ذکرہ یعقوب ابن سفٰین "فی باب من یرغب عن الروایة عنھم"[425]۔ "وقال ابوداؤد "ھو علی ضعفه"[426]۔ "وقال ابن عدی "الضعف علی حدیثه ورو ایاته بین"[427]۔ "وقال الحاکم ابو احمد "ذاھب الحدیث"[428] "قال الحاکم ابوعبدالله "انا ابرأ الی الله من عھدته"[429] "وقال ابن حبان "یروی عن الضحاك اشیاء مقلوبة"[430]۔ "وقال فی اللاٰلی ھالك تالف متروك جدا"[431]۔ ونقل فی ذیلھا عن لسان المیزان	اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے، نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تذھیب التنذیب میں، نہ تہذیب التنذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی المصنوعہ، نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃالتنذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔ چنانچہ نسائی وعلی بن جنید اور دار قطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔ حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔ حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے، برباد کرنیوالے، سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

[422] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۰
[423] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۰
[424] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۰
[425] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۰
[426] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۰
[427] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۱
[428] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۱
[429] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۱
[430] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲۱
[431] اللآلی المصنوعۃ

"متروك الحديث عن المحدثين[432]۔" وقال فی التقريب "ضعيف جدا[433]"وقال احمد بن سيار "حاله حسن فی التفسير وهو لين فی الرواية[434]" وعده يحيٰی ابن سعيد "هٰؤلاء لايحمل حديثهم ويكتب التفسير عنهم[435]۔" وقال فی الاتقان بعد ذكران الضحاك عن ابن عباس مقطع"وان كان من رواية جويبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جويبرا شديد الضعف متروك اھ[436]۔" ولكن اذا لم تستحی فاصنع ماشئت[437]۔

وثالثًا من ظلمهم الدندنة علٰی حديث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الاحتمال الانقطاع ثم عادوايتمسكون بهٰذا الاثر وفيه مكحول عن معاذ

منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب میں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسانہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے، اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے، اور یہ متروک ہیں۔تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے، اور محمد بن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑ دی جائے۔

ثالثًا ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

---

[432] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۴

[433] تقریب التهذیب ترجمہ ۹۸۹ جویبر بن سعید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸

[434] تهذیب التهذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[435] تهذیب التهذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[436] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱/۴۷

[437] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳۷، ۱۴/۲۳۸

منقطع قطعاً۔

ورابعًا من خیانتهم ان اثروا هٰذا الاثر عن فتح الباری وترکوا قوله "هذا منقطع بین مکحول ومعاذ[438]۔"

خامسًا ترکوا قوله "ولا یثبت لان معاذًا کان خرج من المدینة الی الشام فی اول ما غزوا الشام واستمر الی ان مات بالشام فی طاعون عمواس[439]۔"

وسادسًا ترکوا قوله "وقد تواردت الروایات ان عثمٰن هو الذی زاده فهو المعتمد[440] اھ۔"

فقد افاد ان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفته لاحادیث صحیح البخاری وغیره الکثیرة المشهورة فترکوا کل ذٰلك خائنین۔

معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔

رابعًا ان حجرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اوراس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔

خامسًا صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کردی "یہ روایت ثابت نہیں" کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیاجب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے،مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔

سادسًا ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑدی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کااضافہ کرنیوالے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔

ابن حجر کی تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے،اوران حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

---

[438] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[439] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[440] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

وسابعًا ان کان فیه شیئ فلیس الا مفهوم وردہ عند ائمتنا معلوم .الاسیما مفهوم اللقب الذی هو اضعف المفاهیم لم یقل به الاشرذمة قلیلة من الحنابلة ودقاق الشافعی واندادالمالکی۔

وثامنًا جاء الملك ثلثة سفراء ووصل احدهم الی باب تجاہ الملك واثنان متاخران.سأل عنهم الملك فقال الهاجب احدهم بین یدی الملك واثنان کارج الحضرة فهل یفهم منه ان الذی بین یدیه قددخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الهل یاتی بالعجب العجاب۔

نفحه۱۶: ظهرلك الجواب ولله الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنامکانها واتخذناها مسجدًا فنادینا فیه بالاذان[441]۔

سابعًا اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بجور عارۃالنص نہیں بلکہ بطور مفوہم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جوائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور اندادمالکی کا قول ہے۔

ثامنًا بادشاہ کے پاس تین نفر آئے،ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک،دو اور پیچھے رہے۔بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔حاجب نے جواب دیاایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اور دو دربار سے باہر ہیں۔تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا،وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گُل کھلاتی ہے۔

نفحہ۱۶: مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیاجو امام نسائی نے نقل کیا: "ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھادیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اوراس میں اذان دی۔"

[441] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدًا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ[442] (الحدیث) اثر اٰخر عن ابی الشعشاء قال خرج رجل من المسجد بعدما اذن فیہ بالعصر وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما ھٰذا فقد عصٰی اباالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[443]۔ فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتدوا لہ وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان من سنن الھدٰی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ[444]۔" کما قدمنا فی النفحۃ التاسعۃ	اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہوچکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔" ایک اور اثر جو ابو شعشاء سے مروی ہے کہ اذان عصر کے عد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا"اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نا فرمانی کی ہے۔" یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔" یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کرآئے

[442] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[443] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الخروج من المسجد بعد الاذان امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[444] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان فی فتح القدير وغاية البيان اذقال فی المسجد ای فی حدوده لكراهة الاذان فی داخله[445]۔	مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا: "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"
والعجب ان المحتج باثرابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها علی صلٰوة المسعودی لا اثرلها فيها ولم يرفی صلٰوة المسعودی انه ذكر هذا الاثر هٰكذا ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة[446] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسی وصلٰوة الامام ابی بكرخواهرزاده رحمهما الله تعالٰی، ومثله فی الضعف بل اضعف والتمسك بحديث مرفوع لم يهتدواله ايضا وانما دللنا هم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کردیا اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی، ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

[445] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

[446] صلٰوۃ المسعود باب بیست ویکم دربیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/۹۵

عن امیرالمؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "من ادرکه الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وھو لایرید الرجعة فھو منافق[447]۔" فان المسجد ظرف الادراك دون الاذان الا تری الی المناوی فی التیسیراذیقول فی شرحه(من ادرکه الاذان)وھو(فی المسجد[448]) بل کفی الحدیث شرحًاللحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "اذا کنتم فی المسجدفنودی بالصلٰوة فلا یخرج احدکم حتی یصلی[449]۔" لکن السفیه کل السفیه والبلید کل البلید من تمسك بحدیث	تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی: "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔" استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا) بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔" اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

[447] سنن ابن ماجه ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[448] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرك الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

[449] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۳۷

ابی داؤد رأیت رجلا کان علیه ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[450] (ورواية ابی الشیخ فی ھذا الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادٰی[451]، ورأی ذٰلك عبدالله بن زید فی المنام۔

وحدیث ابن سعد فی طبقاته عن نوار اُمّ زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنہما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجدہ فکان یوذن بعد علی ظھر المسجد وقد رفع له شیئ فوق ظھرہ[452]۔

فان فی ھٰذہ تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجھول لایمیز بین المنافع والمضار وقد اسلفنا عدۃ روایات لھذا محتجین بھا والسفه یبحث عن حتفه بظلفه۔

کیا جائے: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دوہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی۔ (اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علٰی سطح المسجد، (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اور اذان دی (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)"۔

اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کردیا، تو اسی پر اذان دینے لگے۔"

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا، اور بیوقوف اپنے کُھر سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

---

[450] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[451] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[452] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمہ النوار بنت مالك دار صادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحه ۱۷: تعلق سفیهان منهم بروایة ابن ماجة عن عبدالله بن زید رضی الله تعالٰی عنه فیها، قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان صاحبکم قدرأی رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه اندٰی صوتا منك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها[453] و هذا کما ترٰی اشبه بالهذیان۔

فاولا: این الخروج الی المسجد عن الدخول فی المسجد،

ثانیا: لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجلس غیر مسجده الکریم ولا بین المسجد و الحجرات الشریفة شیئ انما کانت علی حافة المسجد الشرقیة واتیان عبدالله بن زید الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان من اٰخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع به

نفحہ ۱۷: دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔ "یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولاً: مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں۔)

ثانیاً: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

[453] سنن ابن ماجه ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

بین روایۃ ابی داؤد"فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم"[454]۔"وروایۃ ابن ماجۃ"فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلا"[455]۔" ولم یکن ھذا ایان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذذاك الا فی المسجد الشریف اوالحجرۃ المنیفۃ۔ وعلی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھرولو لم یکن ظاھرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجداذاقیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد،و انما یرادبہ اخرج الی منتھی حدالمسجدوحینئذٍ تکون

اپنی روایت میں کی ہے۔اورابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی،الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: " صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داود)۔"رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ)

اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا،نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا،تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتومسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں،تواس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کردیتاہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ اس کا یہ مطلب ہر گز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے مسجد میں نہیں،نہ مسجد سے دور۔ جیسا کہ آسمان

---

[454] سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۲

[455] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأالاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمۃ فی التعبیر بالی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجد لافیه لابعیدًا منه، کما اراہ النازل من السماء علیه الصلٰوۃ والسلام فکان الحدیث دلیلًا لنا علیهم والجهلة یعکسون ومما یشهد له ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذقام علی حصة الجدار فوق السطح وماکان امر عـــه النازل الا للتعلیم فلذا امر ان یخرج من المسجد الی حدودہ وللّٰه الحمد۔	سے اترنے والے فرشتے نے انہیں دکھایا تھا۔ پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے، اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انہیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔ یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھا اس لئے آپ نے حکم دیا کہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ، فالحمدللّٰه۔
وثالثًا: لو تنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجد احد المعنیین الاخیرین، وللّٰه الحمد۔	**ثالثًا:** اور ان سب سے قطع نظر کیا جائے تو ہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

عـــه: واذاضم الٰی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد) لمخالفة صفة الملك النازل [456] لکان حدیث الملك علی کثرۃ روایاته التی قدمنا کثیرًا منها دلیلا براسه علی کراهة الاذان داخل المسجد فافهم منه حفظه ربه ۱۲۔	اور جب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قول شرنبلالی کو ملایا جائے، یعنی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے، توفرشتے والی حدیث باوجودان روایات کثیرہ کے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔ پس اس کو سمجھ۔ (ت)

[456] مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی کتاب الصلٰوۃ باب الاذان دار الکتب العلمیة بیروت ص ۲۰۰

نفحه۱۸: حاول بعض الوهابية الفجرة ان یثبت مطلوبه الباطل بأیات القراٰن العظیم وحاشا القراٰن ان یکون لباطل ظهیرًا قال قال عزوجل: "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ"[457]	**نفحہ۱۸:** بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم!) لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔"
واخرج سعید بن منصور واٰخرون عن مجاهد قال لما امر ابراهیم ان یوذن فی الناس بالحج، قام علی المقام فنادٰی بصوت اسمع من بین المشرق والمغرب، یایها الناس اجیبوا ربکم[458]۔	اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق ومغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔"
واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاهد قال تطاول به المقام حتی کان کاطول جبل فی الارض فاذن فیهم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[459]۔	ابن المنذر وابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انہیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا، آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا جو سات سمندروں کی تہہ سے بھی سنا گیا۔
واخرج ابن جریر عن مجاهد	ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

[457] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[458] الدر المنثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳، تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[459] تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادٰی "یا ایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال وارحام النساء[460]۔"	اورانہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔
قال قال ونحن ندری ان ھٰذا الحجر کان حین نادٰی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر" و الذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت، قال ابن جماعۃ ھو الصحیح وروی الازرقی ان موضع المقام ھو الذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ وعھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اھ۔ والاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ الحکمۃ ھنالك تقتضی ذٰلك اھ[461]۔"	مستدلین کا دعوٰی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا: بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جامعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکا یا گیا۔
وذالك لان ابراھیم صلوات اللہ علیہ بنی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر	حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

[460] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/۱۶۹

[461] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

مذذاك متصل الكعبة كما فی تاریخ القطبی وسائر كتب السیر"وكان ابراهیم علیه الصلوات والسلام یبنی واسمٰعیل علیه الصلوٰة والسلام ینقل له الحجارة علی عاتقهٖ فلما ارفع البنیان قرب له المقام فكان یقوم علیه ویبنی[462] اھ"

فثبت انه كان حین اذن علیه للحج متصل جدار الكعبة واستمر كذٰلك الی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم انتقل عنه بوجه قال ولئن سلمنا ان محله منذ القدیم حیث هو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضالانه الاٰن ایضًا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهیم داخل فیه.فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقا ولا كراهة فیه اصلا ولیس بدعة بل هو سنة ابراهیم علیه الصلواة والتسلیم (انتھٰی)(كلامه الردی السقیم مترجمًا)

اقول: انعم بهٖ من برهان تزری بالهذیان ویغبط به المجانین والبله والصبیان۔

اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے،جب دیواریں بلند ہوگئیں تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیااور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا،بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے تب بھی ہمارا دعوی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے،اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے،اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔توثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقًا ناجائز ہے،اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے،یہ تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اقول: جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں،بیوقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

[462] سبل الهدٰی والرشاد الرابعه ۱/۱۵۵ والكامل فی التاریخ ۱/۱۰۶ وتاریخ مكة المشرفة ۴/ ۴۳ و۴۴

فاولاً کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وفی الجاهلیة کونه کذٰلك علی عهد ابراهیم علیه الصلٰوة والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاهر والظاهر حجة فی الدفع لاللاستحقاق وانت مستدل لادافع۔	**اولاً** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔ اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔
وثانیًا مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحة فیه لما ادعاه من انه استمر مذاذاك متصل الکعبة فالاستناد به جهل۔	**ثانیاً** تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔
وثالثًا بل فیه فلما ارتفع البنیان قرب له المقام فدل علی ان محله کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجة والعادة ان الشیئ اذا نقل لحاجة یرد الی محله الاول بعد قضائها کما هو مشاهد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبة یوم دخول العام۔	**وثالثاً** قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابرایم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔ اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں، پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹادیا جاتا ہے۔
ورابعًا ان فرض کونه	**رابعاً** اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عھد خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بالتبجیل کان ایضاًزعم انہ کان کذٰلك حین اذن علیہ للحج رجما بالغیب بلادلیل غایۃ انہ لم ینقل انہ نقل حینئذوعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیرداف للمستدل عند الاصحاب۔	کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا، تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیاہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتاہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اوراگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ توہم بتا چکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔
وخامسًا بل قدوردما یدل علی انہ کان فی غیرھٰذا المحل حین اذن علیہ وکفٰی بہ قاطعا لشقشقتہٖ اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال "سألت عبداللہ بن سلام عن الاثر الذی فی المقام، فقال لما امرابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام، فلما فرغ امر بالمقام فوضعہ قبلہ، فکان یصلی الیہ مستقبل الباب[463]۔"(الحدیث)	**خامسًا** اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہو جاتاہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا گیا توآپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے توحکم دیا کہ اس پتھر کو لیجا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے اورآپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نمازپڑھتے تھے۔"
وسادسًا ان شئت قطعت	**سادسًا** اس شبہ کو جڑ بنیاد سے

[463] الدر المنثور بحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/۱۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۵۔۱۶۶

راس الشبهة من راسها وذلك لان رواية قيامه عليه الصلٰوة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا، وروٰى ابن ابى حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن جال من علماء اهل الكتاب ان موسٰى دعا ربه[464] (الحديث) فى قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلٰوة والسلام واقرها واخرج ابن ابى شيبة عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهٰى، قال سدرة ينتهى اليها علم الملئكة وسئلته عن جنة الماوٰى فقال جنة فيها طير خضر ترتقى فيها ارواح الشهداء[465]۔ واخرج ابن جرير عن شمر	اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیساکہ اس مبحوثہ روایت میں انہوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔" ان جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

[464] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۱۷تا۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۷۹

[465] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۱۴/۵۳ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۷۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول اللہ "سدرۃ المنتھی"[466] (الحدیث) وقد صح عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ اذن علٰی ثبیر ،روی عبدالرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ لما فرغ ابراھیم من بنائہ ، بعث اللہ جبریل فحج بہ حتی اذا رأی عرفۃ قال قد عرفت وکان اتاھا قبل ذٰلک مرۃ ،فلذٰلک سمیت عرفۃ حتی اذا کان یوم النحر عرض لہ الشیطان فقال احصب فحصبہ بسبع حصیات۔ثم الیوم الثانی فالثالث، فلذٰلک کان رمی الجمار قال اعل علٰی ثبیر فعلاہ فنادٰی یا عباداللہ اجیبوا اللہ یا عباداللہ اطیعوا اللہ فسمع	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہی کے بارے میں پوچھا۔(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے) ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جریج سے انہوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا،آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام "عرفہ "پڑا۔یوم نحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی،اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا،پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔اسی لئے حج میں رمی جمار مشروع ہوئی۔حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پر چڑھو۔حضرت خلیل علیہ السلام نے

[466] جامع البیان تحت الآیۃ ۱۴/۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/۶۳

دعوته من بين الابحر السبع[467]۔(الحديث) وهذا كما ترى سند صحيح على اصولنا فهذا انص عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم حكما لان الامر لادخل فيه للرأى وما كان امير المؤمنين على ليأخذ عن اهل الكتاب فلم يكن الا سماعًا عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم۔فثبت ان الاذان كان على جبلٍ بمزدلفة وسقط انه كان داخل المسجد على المقام ولك ان تقول لاخلف فان ثبيرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه "ان مقام ابراهيم الحرم كله[468]" اخرجه عنه عبد بن حميد وابن ابى هاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهيم الحج كله[469]۔" وسابعًا اضطربت الرواية عن	ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا: اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔" یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔ **سابعًا** اعلان حج کے مقام میں حضرت

[467] الدر المنثور بحواله عبدالرزاق تحت الآية ۲۶ /۲۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۱

[468] الدر المنثور بحواله عبد بن حميد وبن ابى حاتم تحت الآية ۲/ ۱۲۵، ۱/ ۲۶۴ وتفسير ابن ابى حاتم تحت الآية ۹۷/۱۱۷، ۳/۳

[469] تفسير القرآن العظيم تحت الآية ۳/ ۹۷ حدیث ۳۸۴۷ و ۳۸۴۸ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکہ المکرمۃ ۳/۷۱۱

ابن عباس ففی بعضھا "اذن علی المقام" وفی بعضھا علی ابی قبیس رواہ عنہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد اباقبیس فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ثم نادٰی ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبو ربکم[470] الحدیث، وفی اخری لہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صعد ابراھیم اباقبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھا الناس اجیبوا ربکم[471]۔

وفی بعضھا علی الصفا رواہ عبدبن حمید عن مجاھد قال "امر ابراھیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعہ مابین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم[472]۔"

ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابوقبیس پر اعلان حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھدان لاالٰہ الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔"

اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق و مغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے: اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

---

[470] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[471] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷، ۲۴۸۸، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۴

[472] الدر المنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳

وروی ھو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراھیم علی الصفا فقال یاایھا الناس اجیبوا ربکم[473]۔"

ابوحاتم اورابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ سفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔

ومعلوم ان الروایة عن مجاھد روایة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشك فی التثنیة فکان من ھذا الوجه ایضاً حدیث امیرالمومنین احق بالاخذ ولذا مشٰی علیه القطبی فی تاریخه ولم یلتفت لما سواہ فاندحضت الشبھة عن رأس والحمدللہ رب الناس۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اور اولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامناً بعد اللتیا والتی ان کان فشریعة من قبلنا فلا تکون حجة الا ذا قصها اللہ تعالٰی اورسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من دون انکار کما نص علیه فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیة و الشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالٰی او رسوله من غیر انکار اذلاعبرة بما ثبت بقول اھل الکتاب،

ثامناً ساری بحث و مباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلاانکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

[473] الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیة ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۳

ولا بما ثبت بکتابھم لانھم حرفوا الکتب ولا بما ثبت بقول من اسلم منھم لانہ تلقن ذٰلك من کتابھم او سمع من جماعتھم [474] اھ ومثلہ فی کشف الاسرار للامام البخاری۔	نہیں اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کردی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محروف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔
وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ لایحتمل کذبہ قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجودہ فھو لم یتعلم الا المحرف [475] اھ بالالتقاط۔	بحر العلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت مین فرمایا، خیال ہوسکتاہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ و بلا شبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف و ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہوچکی تھی۔
وھذا شیئ لم یقصہ ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذلم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج بہ راسا مدفوع۔ ھذا علی التسلیم والا فقد علمت ان الذی	اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوی

[474] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۷۳، کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب فی شرائع من قبلنا دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۳

[475] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفٰی المختار الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

يدعيه هذا الوهابي من انه اذن عليه في جوف المسجد لم يقصه مسلم ولا كتابي ولا كافر سواه فاحتجاجه به ليس الا احتجاجا بهواه۔ **وتاسعًا** ان تعجب فعجب قوله ان المقام الأن ايضًا داخل المطاف وهذا شيئ يرده العيان ويشهد بكذبه كل من رزق حج البيت الحرام۔ **وعاشرًا** اعجب من الاحتجاج عليه بانه مفروش بالرخام وكان في باله ان كل مافرش فيه الرخام صار المطاف الذى كان قدر المسجد الحرام على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فليدخل ماحول زمزم ايضًا فيه ولو كان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشريف ورواقاته بالرخام لحكم هذا الجاهل بان المسجد كان الى الرواقات على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم واذا بلغ الجهل الى هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هى دائرة الرخام حول البيت الحرام وعلى حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنها و	جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے ورنہ تفصیل گزر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوی میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ **تاسعًا** قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔ **عاشرًا** اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہد رسالت مین مسجد تھی، توزمزم شریف کا اردگرد ہی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسلات کی مسجد حرام ہو گئی حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گرداگرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے، اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماكان اهل مكة سفهاء كهٰذا ليبنواقبة فى نفس المطاف ويضيقوا المحل على اهل الطواف نعوذبالله من الجهل والاعتساف۔

نفحه۱۹: ثم تمسك بقوله تعالٰى: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ"[476]۔ وقوله تعالٰى: "وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا"[477]۔ وقوله تعالٰى: "فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ"[478]۔

وفى حديث الصحيحين عــــہ ان هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول والقذر انما هى لذكر الله والصلٰوة وقراءة القرآن[479]۔

اقول: اولا قضينا الوتر عن كشف هذه الشبهة فى النفحة الاولٰى القراٰنية، وبينا ان الاذان ليس ذكرًا خالصًا[480]۔

نفحہ۱۹: مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا"

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں، یہ تو ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔"

اقول: (میں کہتا ہوں) **اولا** ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کر چکے ہیں کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

عــــہ: تبع فيه صاحب المشكٰوة وانما عزاه المخرجون لمسلم وحده ا ھ منه۔

---

[476] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[477] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[478] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۶

[479] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[480] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ صحیحین کتاب الطہارۃ باب تطہیر النجاسات الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۲

وثانیًا منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیه ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم:"ایها الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبنا ولکن تدعون سمیعًا بصیرا[481]۔" وماکان لینهاهم عن ذکر اللہ تعالٰی وقد قدمنا عن الدرر والاشباہ وغیرهما کراهة رفع الصوت بالذکر فی المسجد[482] وفی المسلك المتقسط لعلی القاری:"قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصورت فی المسجد حرام ول بالذکر[483] اھ" وصرح فی الکافی الامام الحاکم شهید الذی جمع فیه کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح الباب وردالمحتار وغیرها بکراهة رفع	**ثانیًا** مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا،ارشاد نبوی ہے:"اے لوگو!اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو،تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔" بھلا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے،ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں "کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔ "ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔" کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط،فتح القدیر،بحر الرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے:"طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔"تو پناہ بخدا یہ کہا

[481] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علا عقبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۴۴،صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[482] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام امسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۳

[483] المسلك المتقسط مع ارشاد الساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقراٰن فی الطواف[484] فھل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھٰذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلك بل انت فی ضلال بعید۔	جائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذاللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔
وثالثًا انما یعود ھٰذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نھو عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھة فیہ وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھٰذا ومن شنع علیھم فعلیہ دائرة السوء وھو الملوم والمدحور۔	**ثالثًا** یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی،وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالٰی کے دامن میں محفوظ ہیں،ہاں جو ان پر طعن وتشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔
رابعًا ھٰؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلوٰة فی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة،ھللوا مائة،سبحوا مائة فیفعلون،فقال والذی نفسی بیدہٖ انکم لعلٰی ملة ھی اھدٰی من ملة محمدٍ؟صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	**رابعًا** وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کای جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے،ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو سو بار لاالٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

[484] ردالمحتار کتاب الحج باب الاحرام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸، فتح القدیر کتاب الحج باب الاحرام مکتبہ نوریہ رجویہ سکھر ۲/۳۹۰، بحرالرائق کتاب الحج باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲۹

اومفتحوا باب الضلالة؟ قالو واللہ یا ابا عبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیرات یصیبه[485]۔ (الحدیث)	ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن! اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہنچتے ہیں۔
وقد اجبنا عنه فی المجلد الحادی عشر من فتاوی نا باجوبة شافیة. لکن این ذھب ھذا منھم ھھنا ام یدخلون عبداللہ بن مسعود ایضًا فی وعید من اظلم نعم لاغرو فقد سبوا اللہ وسبوا رسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠" [486]۔	ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی، یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اور ان سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں تو قیامت میں انہیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔
نفحہ ۲۰: قدمنا فی النفحة الثامنة العودیة ان امام دار الھجرة عالم المدینة سیدنا مالکا رضی اللہ تعالٰی عنه وجماھیر اصحابه ذھوا الی ان جعل ھٰذا الاذان بین یدی الامام بدعة مکروھة. وانما السنة فیه ایضا المنارة وھذا مابلغھم ولکن نطق حدیث ابی داؤد الصحیح ان فعله بین یدی	**نفحہ ۲۰**: ہم ثامنہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کر آئے ہیں کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے، اوراپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں، مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

[485] سنن الدارمی مقدمة الکتاب باب فی کراہیة اخذ الرائ نشر السنة ملتان ۱/ ۶۰و۶۱

[486] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام هو السنة من لدن سید الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والسلام۔فبعض محققی اصحابه رحمهم الله تعالٰی ومنهم الحافظ ابو عمر بن عبد البر خالف فی ذٰلك ووجه الكلام الٰی بعض الاصحاب مع ذکره فی الكافی الفقهی عن صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه وکانه وجد عنه روایة اخری اوسها و الانسان للنسیان،فقال فی الاستذکار مانقله الشیخ خلیل فی التوضیح وعنه فی المواهب وهذا نصهامع شرحهاللعلامة الزرقانی المالکی[487]۔

اور یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں،اس کی مخالفت کی اوراذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمہ اللہ علیہ کا قول بتایا،تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔اوریہ بھی ہوسکتاہے کہ انکو سہو لاحق ہوا ہو،اور بھول چوک توانسان کے لئے ہی ہے۔ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر ان هذا اشتبه علٰی بعض اصحابنا فانکر ان یکون الاذان یوم الجمعة بین یدی الامام کان فی زمنه علیه الصلٰوة والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلك حدث من زمن هشام۔وهذا قول من قل عمله بالاحادیث وکانه یعنی الداؤدی ثم

استذکار(یہ موطاء کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیاہے)میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی،توان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیااور یہ کہا کہ یہ توہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہےاوراس سے صاحب استذکار

[487] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷/ ۳۸۱

استشهد فى الاستذكار بحديث السائب بن يزيد المروى فى البخارى ثم قال "وقد رفع الاشكال فى ذٰلك رواية ابن اسحٰق عن الزهرى عن السائب بن يزيد۔ قال كان يوذن بين يدى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة وابى بكر وعمر[488] اھ" فانظر ان السادات المالكية صاروا فرقتين جمهورهم على ان الاذان بين يدى الامام بدعة وانما سنته على المنارة۔ ونازعهم بعضهم بالحديث فاستشهد بحديث ابن اسحٰق ولابدا اذلاذكر لبين يديه الافى حديثه فحديث ابن اسحٰق هو السند بهٰؤلاء وبه ردوا على جمهورهم لا انهم ردوا عليه ايضا كما ردوا على قول جمهورهم ولكن اشتبه الرد بالمردود على العلامة على فقال "اما الذى نقله بعض المالكية عن ابن القاسم	کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی، اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا اھ۔ تو دیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہوگئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے، سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے، اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی، اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں "بین یدیہ" کا لفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں، ایس انہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کیا ہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح

[488] الاستذكار باب الجمعة باب ماجاء فى الانصات يوم الجمعة دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۷

عن مالك انه فی زمنه علیه الصلٰوة والتسلیم لم یکن بین یدیه بل علی المنارة۔ونقل ابن عبدالبر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکرہ محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ فی هذاالحدیث ان بلالاًکان یوذن علی باب المسجدفقد نازعه کثیرون ومنهم جماعة من المالکیة بان الاذان انما کان بین یدیه علیه الصلٰوة والسلام کما اقتضته روایة البخاری هٰذہٖ[489] اھ ولیس فی روایة البخاری ما یقتضی من ذٰلك شیئا[490]۔

حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کرتے ہیں)اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ایسا ہی ابن عبداللہ نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔اور محمد بن اسحٰق کی حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے،اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے یں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی(دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بلا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان توخطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے"کارد کرتے ہوئے فرمایا بخاری کی روایت میں نہ بین یدہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔

اقول: قدصدق ان روایة البخاری لایقتضی شیئا من کونه بین یدیه اوعلی لنارة ولکن الاستشهادکان بروایة ابن اسحٰق وانما

اقول: ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے(جس میں لفظ بین یدہ

[489] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلٰوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷
[490] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلٰوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

ذکر اسم البخاری ایذا نًا بان اصل الحدیث عندہ و اوصحتہ روایۃ ابن اسحٰق کما ھو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن اسحٰق بان الاذان انما کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ان حدیث ابن اسحاق ھو المصرح بھذا افیرد علی الشیئ بنفس الشیئ ولکن الامر انہ کتب ھذا المحل معتمدا علی ما فی الصدور ولو راجع کلام المناز عین لعلم انھم لایقولون ان حدیث البخاری یقضی بالرد علی جمھورھم والرأی انھم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق بل بلہ یستشھدون وبہ علی جمھورھم یردون ولابعد ان کونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصرح بہ فی حدیث ابن اسحٰق نفسہ بل لانعلم التصریح بہ الافیہ فکیف یرد علیہ بمفادنفسہ ولکن نسی ولم یتفق لہ مراجعۃ الحدیث ولامراجعۃ کلام المنازعین	مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے، بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہو یدا ہے۔ (ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحٰق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتی ہے کہ "اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو خود اسی سے رد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کرکے لکھا، اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے، وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث کلام منازعین کو بھی

والله یفعل مایرید ولما سبق الی خاطرہ ان القائلین بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینازعون حدیث ابن اسحاق ولا تمکن المنازعة الا اذا ارید بباب المسجد فی حدیثہ باب لیس وجاہ المنبر خطر ببالہ ان المراد باب الشرقی او الغربی وایدھٰذا الخطور انہ لم یکن فی زمنہ رحمہ اللہ تعالٰی بل منذ نحو مائة وخمسین سنة من قبلہ باب شمالی فی المسجد الکریم کان الناس بنوا ھنالك دورھم کما ذکرہ السید العلامة السمھودی رحمہ اللہ تعالٰی فحق لہ ان یدخل حدیث ابن اسحٰق فیما ینازعہ القائلون بکونہ بین یدیہ فکر علیھم بالرد بانہ لامستدلھم فی انکار علی الباب ولا یقتضی حدیث البخاری شیئا من ذٰلك نقوی الی ھنا امر جمھور المالکیة وتم الرد علی المنازعین لانعدام مایثبت کونہ بین یدیہ.لکن کان ھذاھو مذھبہ

نہیں دیکھا،اور جو اللہ تعالٰی چاہتا ہے وہی ہوتا ہے،اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد کرتے ہیں۔اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروزہ ہو جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث ابن اسحٰق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی،اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ انکے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہو گیا تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے،تو انہیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انہوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضٰی کیونکر ہوا،اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے،لیکن خود احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں،اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں،اس لئے

ومذهب ائمته الکرام فحاول التوفیق بما یرحم الی ما هو مذهبه بالتحقیق. فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقربی اُخر الامر هو الذی کان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[491] الخ. ای لم یکن الاذان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی اوالغربی (وهذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالك) ثم استقراالامر خیرًا علٰی کونه بین یدیه (وهو مراد المنازعین فیه)"	ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔
اقول: انت تعلیم انه مبنی علی ماشبه له وتوجیه کلام مالك بما ذکر توجیه بما لایرضی به فقد اسلفنا عنه انه رضی الله تعالٰی عنه نهی عن الاذان بین ید الامام۔	**اقول**: (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًا اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)
ثم حاول التطبیق بوجه اُخر بعید سحیق فقال و بان اذان بلال علی باب المسجد کان اعلاما فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن[492] اھ۔	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو، اور یہی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل ہو اھ۔

[491] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[492] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

یشیر الی الاثر المذکور عن تفسیر جویبر وقد کان قدمه ورده وذکره ثمه توفیقا ینبغی نقله لیتضح به مرامه بهذا التطبیق قال بعد ماذکر ان عثمان رضی الله تعالیٰ عنه هو الذی احدث الاذان الاول مانصه، "ولا یعارض ان عثمٰن هو المحدث لذلك ماروی ان عمر هو الأمر بالاذان الاول خارج المسجد یسمع الناس ثم الاذان بین یده ثم قال نحن ابتدعنا ذلك لکثرة المسلین لانه منقطع ولا یثبت وانکر عطاء ان عثمٰن احدث اذانًا، وانما کان یامر بالاعلام ویمکن الجمع بان ماکان فی زمن عمر (رضی الله تعالیٰ عنه) مجرد الاعلام واستمر فی زمن عثمٰن (رضی الله تعالیٰ عنه) ثم رأی ان یجعله اذانًا علیٰ مکان عال	یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالاثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کرکے اس کا رد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں،اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشاء بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہو سکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا، پھر انہوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لکونه خلیفة مطاعا[493] اھ۔	بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اوران کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔
اقول: ولا یذهب عنك ان هذا قمع لاجمع اذقد اٰل الامر الٰی انه جعله اذاناً فقد احدث اذاناً وعطاء ینکره فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیره ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه هو الذی احدثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لها فلا حجة فی انکار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، توحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔توملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی!اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہاجائے(۱) مثبت روایت (یعنی ذو النورین کا موجد اذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ توحضرت عطاء کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا نہ تفسیر جو یبر کی روایت اثرانداز ہوگی۔
ولهذا الشیخ لما جمع بان عمر ضی الله تعالٰی عنه احدث اعلاماً واستمر	المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃاللہ علیہ کے قول کے معنٰی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[493] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

الی زمن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وجعلہ بعد اذا نا فانٰی ھذا یشیر بقولہ "فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن "ولما کان یرد علیہ ان علی تطبیقکم ھذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالۃ فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین۔ حاول ان یرفو ھذاالخرق فقال "ولعلہ ترك ایام الصدیق اواواخر زمنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام ایضا فلھذا اسماہ عمر بدعۃ وتسمیۃ تجدید السنۃ بدعۃ علی منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعۃ ھی اھـ"[494]	علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علٰی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ در اصل اذان نہ تھی نماز جمعہ کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان رواج عہد رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اعلان کراکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی! ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ "یہ اعلان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی"
اقول: ولا یخفٰی علیك ان الشیخ انما یبدی ھذہ الاشیاء	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

[494] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

بیمکن ولعل وما بیدہ سند علی شیئ من ھذا اولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مأل ترجباتہ واحتمالاتہ انہ کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علٰی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبرثم ترک الاعلام فی اواخر عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالک انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھذا الاعلام اما الاذان فما کان الابین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔ **اولًا:** لایلائم قول مالک	"ہو سکتا ہے "اور" ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات و احتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ امسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں :) **اولًا:** امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانه رضی الله تعالٰی عنه ینهی عن الاذان بین یدی امام لاعن اعلان اٰخر قبله ولا کان فی عهده رضی الله تعالٰی عنه اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکره ویقول انه محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

وثانیًا لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانه ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان هو بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسه ویقال ان ماعلی الباب کان اعلامًا وما بین یدیه کان اذا نًافان کان الاذان فی حدیثه بمعناه فالذی کان علی الباب کان اذا نًاوان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیه کان اعلامًافکیف التفریق واین التطبیق۔

وثالثًا: اجمعت الامة ان الذی کان عند جلوسه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی المنبر کان هذاالاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعهم انه لم یکن فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم للجمعة شیئ غیر هذا ولا علی عهدالصدیق رضی الله تعالٰی عنه وانه لم یکن علی عهده صلی الله تعالٰی

امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔

ثانیًا: یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرماہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بی تھی اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھااور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ درِ مسجد پر ہوتی تھی اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی؟

وثالثًا: اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و

علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علٰی جعل قوله الصلٰوۃ خیر من النوم تثویبًا۔فلو کان ھذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وھو خلاف الاجماع۔	عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا،ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا،ہاں نماز فجر کے لئے الصلٰوۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی،اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
ورابعًا: اذا ترك ھذا فی اواخر عھدہٖ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لا اعلام ولا اذان وھذا خلاف الاجماع۔	**رابعًا:** اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
وخامسًا: اذن لا یستقیم قول عمر "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین [495] لا احداثًا ولا تجدیدًا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام۔"	**خامسًا:** اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطور احداث نہ بطور تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ توزمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔
وسادسًا: اذن کان اذان	**سادسًا:** اس تقدیر پر اذان خطبہ

[495] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔	ہی تو نوایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔
وسابعًا: كيف يكون هذا اصلا لاعلام عمر وعثمان فانه كان قبل جلوس الامام وهذا عند جلوسه على المنبر۔	**سابعًا**: یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا؟ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتارہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔
وبالجملة فيه مفاسد اظهر من ان تظهروا كثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰى كتب البحث مندون مراجعته عـــه للحديث ولا الكلام	الختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام منازعین، اور کلام امام مالک

عـــه: ولذا انسبه للطبراني مع وجوده في افضل السنن ابي داؤد وقال الزرقاني في المقصد الثالث من شرح المواهب على المؤلف المؤاخذه في ترك الترمذي "ان الحديث اذا كان في احد الستة لايعزى لغيرها كما قال مغلطائي [496]۔" انتهى منه حفظه ربه۔	اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجود یہ کہ یہ اس سے افضل سنن ابوداود میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہی منہ حفظہ ربہ۔ (ت)

[496] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية

المنازعين، ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والا لم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام ـ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهٰذا البحث الذی ليس له روح ليعيش انما هوتشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض مايليق به فی النفحة التاسعة الحديثية۔	اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض نہ ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کرچکے ہیں۔
ثم ليس فيه علی ماقررنا مايقر عينهم اذليس فيه ان الاذان كان علی عهده صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی جوف المسجد وفيه الكلام والله المستعان ولله الحمد۔	لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوٰی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔
نفحه۲۱: قال القهستانی فی شرح النقاية عند قولها (اذن ثانيا بين يديه) ای بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر والامام ويساره قريبامنه ووسطهما بالسكون فيشمل ماذا اذن فی زاوية قائمة او حادة اومنفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ماذاكان	**نفحہ۲۱:** قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح یوں کی: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے)، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الی وجه ما یضاف الیه الیدان، فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذاکان ظهره الی ظهر المضاف الیه الا اذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین[497] اھ۔	سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔ اوراس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں اوراس کی بات سنیں۔ اھ)
اقول: هذا کلام تحیر هٰؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشهد به بعضهم بجهله ولیس فیه الامشتت لشمله ومسفه لعقله ثم هو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالٰی اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الی اجهل هٰؤلاء فنطرحه ولنقدم لذٰلك مقدمات نوضحه۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیا ہے اوراس عبارت کا حل کرنا انہیں مشکل پڑرہا ہے اوراس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔ اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔ اورفی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ اوران کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی۔ اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں تو بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔ اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔
الاولٰی: المنبر فی قولهم	**مقدمہ اولٰی:** فقہاء کے قول

[497] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۹۔۲۶۸

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب النقل والعقل المصیب اما لنقل فقول العلامۃ المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قولہ بین یدیہ عائد الی الخطیب الجالس، وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقًا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب[498] اھ "واماالعقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الاما علی احدطرفیہ والمؤذن بحذاء طرفہ الاخر فقد اخطأ السنۃ لانہ لیس بین یدی المنبر مع انہ بین یدی المنبرلاشك فعلم ان السنۃ ھو کونہ بین یدی الخطیب دون المنبراذالعود غیر مقصودوقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجہ الاالامام امام الانام علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلٰوۃوالسلام ھذاظاھر جدا۔	بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازًاخطیب مراد لیاگیا ہے۔یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحرالرائق کا یہ قول ہے جو انہوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھا ہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازًاخطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔"ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ "منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔" عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگراتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں، تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کردی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں، اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔ مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو محالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

[498] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۷

الثانیة۲:فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین مابین طرفی الشیئ کمرکز الدائرۃ۔وبالسکون اسم بھم لداخل الدائرۃ مثلًا ولذٰلك کان ظرفًافالاول یجعل مبتدأ وفاعلاومفعولابہ وداخلاعلیہ حرف الجرولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔تقول وسطہ خیر من طرفہ وتسع وسطہ،وضربت وسطہ، و جلست فی وسط الدار ،وجلست وسطھا بالسکون لا غیر ،ویوصف بالاول مستویافیہ المذکر والمؤنث و الاثنان والجمع وقال اللہ تعالٰی "جلعنا لکم امۃ وسطًا"وللہ علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللہ ،او اعتق عبدین وسطا [499] اھـوفی الصحاح کل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالتسکین	**مقدمہ ثانیہ:** مُغرب میں ہے:الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا،جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔اورالوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے،تومثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہاجاتاہے،یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون توکلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔اوروسط بالتحریک مبتداء،فاعل،مفعول بہ واقع ہوتاہے،اوراس پر حرف جر بھی داخل ہوتاہے۔اوروسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔چنانچہ کہا جاتاہے "وسط خیر من طرفہٖ"اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہواہے۔"وتسع وسطہ"یہ وسط کے فاعل ہونے کے مثال ہے کہ اس کابیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطہ"اس کے بیچ میں مارا۔یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔اور"جلست فی وسط الدار"توگھرکے وسط میں بیٹھا،یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتاہے،جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔یہاں متوسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

[499] البحرالرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱و ۳۵۲

"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیه فهو بالتحریك "کجلست وسط الدار، وربما سکن ولیس بالوجه اھ[500]۔	ایک علامت یہ بھی ہے کہ وسط بالتحریک مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "جعلنٰکم امة وسطا" ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "للّٰہ علی ان اھدی شاتین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے "واعتق عبدین وسطًا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے "جلست وسط القوم" میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہوتو وسط بالتحریک ہوگا جیسے "جلست وسط الدار" میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ بحر۔
الثالثة۳: کل زاویة جعل منتصف وترها مرکزًا ورسمت علیه ببعدا حد طرفیه قوس الی جهة الزاویة حتی وصلت الی الطرف الاٰخر فان الزاویة ان کانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء رأسها اوحادة فدونه وبالعکس ان مرت القوس برأسها فهی قائمة اووقعت وراءه فمنفرجة اودونه فحادة۔	**مقدمہ ثالثہ**: جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے، اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زایہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔ اسی کو اُلٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

[500] الصحاح تحت اللفظ "وسط" داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۹۷۵

وبعبارۃ اخری کل خط نصف ورسمت علی منتصفه ببعد احد طرفیه قوس وصلت لطرفه الاٰخر فاذا جعلت ھذاالخط قاعدۃ مثلث واقع الی جھة القوس فان وقع راسه علی نفس القوس فزاویة قائمة اووراء ھا فحادۃ اودونھا فمنفرجة وبالعکس ان کانت زاویة الراس قائمة تقع علی نفس القوس اوحادۃ فورائھا منفرجة فدونھا۔	اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگریوں بھی ہوسکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہوجائے جو جانب قوس واقع ہے۔ تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر وقع ہوتو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس قوس سے باہر کی طرف واقع ہوتو زاویہ حادہ ہے۔ اور قوس کے اندر واقع ہوتو زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور اسے الٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہوتو نفس قوس پر واقع ہوگا اور حادہ ہوتو قوس کے باہر۔ اور منفرجہ ہوتو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

توضیح دعوی

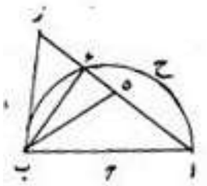

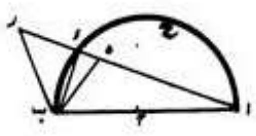

ولیکن اب خطًا رسمًا علی نصفه ح ببعد اقوس اح ب ثم جعلنا ہ قاعدۃ مثلثات ا ء ب، ا ر ب، ا ہ ب فزاویة الواقعة علی القوس قائمة والواقعة ورائھا	ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کردیا گیا ہے اور اسی ح کو مرکز مانکر اسے شروع کرکے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔ اح ب، پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں اء ب، ار ب، اہ ب کا قاعدہ

حادۃ وہ الواقعۃ دونھا منفرجۃ۔وان کانت الزویۃ قائمۃ تقع علی نفس القوس مثل ء،اوحادۃ تقع خارجھا مثل ر،اومنفرجۃ فداخلھا مثل ہ۔	قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے،اوزاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے،اورزاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگرزاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء،اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔جیسے زاویہ ر اوراندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوت دعوٰی کی تقریر

وذٰلك لان القوس نصف دائرۃ وقد وقعت فیھا زاویۃ ء فھی قائمۃ بحکم ل من ثالثۃ الاصول فتکون رحادۃ والاجتمع فی مثلث ب ء ر قائمتان وھو محال بحکم لب من اولی الاصول۔وکذا ب ہ ء حادۃ لعین ذٰلك فب ہ ا منفرجۃ بحکم بح من اولٰی ھا۔ ثم لتکن ء قائمۃ فلا موقع لھا الا علی نفس	یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اوراسی پر زاویہ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے،اورچونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ع ر میں بیک وقت دوزاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولی کی شل بتیس کی رو سے محال ہے،اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ع کا زاویہ ہ بھی حادہ ہے(چونکہ حادہ کے پہلو والا زاویہ منفرجہ ہوتا ہے)اس لئے مثلث ب اہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیسا کہ مقالہ اولٰی کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔ یایوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ ر کی

القوس اذلووقعت دونها مثل ه او ورائها مثل ر وقد تبين ان ء ايضا قائمة لاجتمع فی مثلث قائمتان، ولتكن ه منفرجه فلا تقع الا داخل القوس اذلو وقعت عليها كانت قائمة اوورائها كانت حادة لما امر۔ ولتكن ر حادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذلو وقعت عليها كانت قائمة۔او داخلها كانت منفرجة لما سبق، و ذٰلك ما اردناه وبه تبنيت العبارة الاولٰى اصلًا وعكسًا۔ **الرابعة**[۳]: كل زاوية غير حادة نزل من راسها عمود علٰى قاعدتها فانه يكون نصف القاعدة ان كانت الزاوية قائمة متساوية الساقين والاقل من نصفها سواء كانت منفرجة مطلقًا اوقائمة مختلفة الساقين۔	طرح خارج قوس واقع ہو۔ یا ہ کی طرح تحت قوس ہو، تو جس طرح زاویۂ قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہوجائیں گے۔ اور ایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔ یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تو لامحالہ داخل قوس ہوگا کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا، یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔ یا یوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لا محالہ وہ قائمہ ہوجائے گا، یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعوی تھا۔ ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلًا وعکسًا ثابت ہوئی۔ ***مقدمہ رابعہ***: جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا (۲) خواہ زاویہ مطلقًا مفرجہ ہو۔ (۳) یا قائمہ مختلفہ الساقین ہو۔

نمبرا کی توضیح اور ثبوت

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

فلتکن ا ح ب قائمۃ متساویۃ السقین فج أنصف ا ب بوجوہ کثیرۃ منہا ان زاویتی ج ا ب، ج ب ا متساویتان بخسمۃ الاولی لتساوی السقین وحیث ان ج قائمۃ فکلتاھما نصف قائمۃ بلب منہا و ح ء ب قائمۃ بحکم العمودیۃ فرح ب نصف قائمۃ بلب فح ء، ء ب متساویان بسادسۃ الاولی، وکذا بعین البیان ح ء، ء ا فیکون ا ء، ء ب متساویین، فکل منہما نصف ا ب مساویالح ء۔	مان لیجئے کہ مثلث اح ب کازاویہ ح قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ح ا جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے وہ خط ا ب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے: ح ا ب اور ح ب ا میں ا ء ب دونوں زاویے مقالہ اولے کی پانچویں شکل (شکل ماموئی) کی رو سے بربر ہیں کیونکہ اس شلث کی دو ساقین ا ح اور ح ب برابر ہیں، اور جب ح زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولٰی کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دو مثلث بن گئے ہیں ا ء ح اور ح ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہٗ قائمہ ہے تو زاویہ ح نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولٰی کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے، اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔

	پس اس مثلث کی دو ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ کی چھٹی شکل کی رو سے اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور اء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ء اور ء ب مساوی ہوگئے۔اور قاعدے اب کا نسف نصف ہوں گے اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

نمبر ۲ کی توضیح اور ثبوت

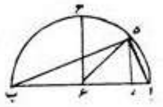

ثم لتكن ا ہ ب قائمة مختلفة الساقين فنقول ہ ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان ر ليس مركزًا والا لكان فی مثلثی ار ہ،ہ ر ب ضلعا ار،رب متساويين و ر ہ مشترك وزاويتا ر قائمتان	ہم نے فرض کیا کہ مثلث اہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔تو ہمارا دعوی یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں،ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ار ہ اور ہ ر ب میں دونوں خط ار اور ر ب برابر ہو جائینگے،اور ہ ر دنوں مثلثوں میں مشترک۔اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب ہف فلکن المرکز ء وقلتنا ہ ء نصف القطر فلو کان ہ ر مساویا لہ تساوت بلاماموني زایتار ء فاجتمع فی مثلث قائمتان۔	دو قائمے) پس مقالہ اولٰی کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ اہ او رہ ب دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں گے اور یہ خلاف مفرض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کرلیجئے۔ اس صورت میں ہر ر ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولٰی کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اور زایہ ء دونوں برابر ہوں گے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں۔)
وان کان ہ ر اکبر من ہ ء کانت ء الموترۃ بالاکبر اکبر من ر القائمۃ الموترۃ بالاسغر بحکم یح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمۃ ومنفرجۃ فلاجرم ان ہ ر اصغر من اء۔	ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے و مقالہ اولٰی کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زایہ ء جس کے وترہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زایویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے اوہ ر کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں، تو لامحالہ ہ ر، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

نمبر ۳ کی توضیح اور ثبوت

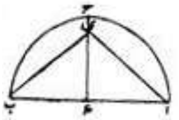

زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ا ی ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث ا ح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ا ی ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)	والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطران مر بالمرکز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطر ح ء وان لم یمر به مثل ح ط۔

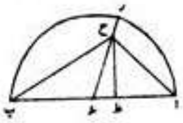

تو ہم ح کو ء ک کی طرف لے چلیں گے (اور ء ک نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ک سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے جو ازاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولٰی کی شکل ۱۸ کی رو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے	اخرجنا ح الی ء ك کان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم ر ط من الاولی وذٰلك ما اردناه۔ الخامسة: کل خط اقیم علٰی نصف عمود غیر محدد واخرج

من طرفیه خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت الزاویان فملتقی لا خطین علی نفس العمود والا فخارجة وعلی کل تحتمل زاویة ملتقاهما ان تکون قائمة او حادة او منفرجة۔	دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔اور اس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کا زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح وثبوت)

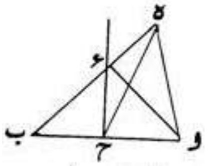

فلیکن ا ب خطًا نصف علی ح و اقیم علیه عمود ح ء غیر محدود فاخرج من جنبیه خطا اء۔ب ء محدثین زایتی ا ب مساویتین فانهما یلتقیان علی نقطة ء من العمود والا فیلتقیا خارجه مثلًا علی ہ وصلناہ ح ففی مثلثی اح ہ ب حہ نصف اا ح ب ح متساویان بالفرض وکذا ا ہ ب ہ لخامسة الاولٰی لتساوی زاویتی ا ب	مان لیجئے کہ اب ایسا خط ہے جس کا نصف نقطہ ح ہے اور اس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط اء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں، تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔مثلًا مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یہاں دو مثلث اح ہ اور ب ح ہ پیدا ہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ح اور ب ح بالفرض برابر ہیں، اور چونکہ زاویہ اور

بالفرض وہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوی زاویتا ا ح ہ،ہ ح ب بفحکم بح منھا کانتا قائمتین وقدکانت اح ء قائمۃ فتساوی الکل والجزء ہف۔	زاویہ ب .برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولٰی کی شکل خامس سے جس طرح اح اور ب ح .برابر ہیں اسی طرح اہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اورہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولٰی کی شکل ثام کی وجہ سے زاویہ اح ہ اور زاویہ ہ ح ب .برابر ہونگے اور مقالہ اولٰے کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اح ء قائمہ ہے اور اح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا خبر ہے) اوراس صورت میں جزوکل مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔
ولیخرج عن جنبیہ ا ہ ب ہ عن زایتین مختلفین فملتقٰی ھما خارج العمود علٰی ہ والافیلتقیاعلٰی ء من العمودففی مثلثی ا ح ء،ء ح ب نصف ا ح،ح ب متساویان و ء ح متشرك و زایتاح قائمتان فبالرابع تتساوی زاویتا ا ب و قد فرضنا مختفین ہف فالحکم ثابت وذٰلك ما اردناہ۔	**دوسری صورت** کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط اہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارا دعوی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف اح اور ح ب .برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اورزاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ ا ب .برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوی کہ نہ ماننے سے لازم آیا، تو دعوی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوایا الثلث فی الملتقٰی علٰی کل تقدیر فظاھر لان الزایتین الحاد ثتین منھما فحادۃ سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذٰلک بلب من الاولٰی۔	تیسری صورت کہ دونوں قسم کے ملتقٰی پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقٰی زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے و ملتقٰی کا زاویہ منفرجہ ہوگا،اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقٰی کا زاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔یہ ساری باتیں مقالہ اولٰی کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔
اذا عرفت ھذا واعلمناك فی النفحۃ الاولی العودیۃ ان معنی بین یدیہ الترکیبی الفضاء المحقق المحصور بالجارحتین عند بسطھما اوالموھوم عند ارسالھما اعنی الخط النافذ علی الاستقامۃ من وسط احد کتفیك الی وسط الکتف الاخر ولایمکن ارادتہ ھنا وفی عامۃ استعمالات ھذا اللفظ بل ارید فیھا بالیدین الجھتان الواقعتان علی سمتھما ای تخرج من طرفی کتفیہ خطین	مذکورہ بلا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نفحہ اولی میں کرآئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے"اور "جب ہاتھ لٹکائیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودين علٰى ذالك الخط الواصل بين كتفيه فهٰذان الخطان هما الجهتان المسامتان ليمين من اضيف اليه اليدان وشماله كما قدمنا ثم عن الكشاف و المدارك وغيرهما فكل ماوقع بين هٰذين الخطين بشرط القرب اللائق بالشيئ المتفاوت تفاوتاشديدا بحسب المقام فهو بين يديه۔	"سمجھا جاسکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علیحدہ علیحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی کو یوں سمجھئے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔) اس مضمون پر مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کر چکے ہیں قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا۔ "دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"
كما افدناك تحقيقه بمالامزيد على الى هنا اتم معنى كلام القهستاني الى قوله قريبا منه۔	یہاں قہستانی کے لفظ قریبًا منہ کے یہ معنٰی نہیں کہ مؤذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ

ثم اذا نصفت الخط الواصل بین الکتفین ونسمیہ الخط الکتفی واقمت وعلیہ عموداً ثالثا وایاہ نسمی العمودکان ھو ومایقع علیہ وسط الجھتین المذکورتین بینھما بلاتحریك وماکان بینھما منحازاعن العمود فھو وسطھما بالسکون ووسطھما بالسکون فیشمل ماأذان اذن فی زاویۃ قائمۃ اوحادۃ منفرجۃ حادثۃ من خطین خارجین من ھاتین الجھتین[501]۔ فالاٰن یرید الشیخ یفید ان لیس شرط کون الشیئ بین یدیك وقوعہ علی العمود بل یکفی کونہ بین خطی الجھۃ اینما کان فلااذا قال ووسطھما بالسکون وھو عطف علٰی قریبًا	ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقًااذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھااور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھااس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کیں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہل لغت وسط بالتحریک کہتے ہیں۔اوران دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہاجاتاہے۔علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمودوسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

[501] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

منه لانه قریب منه او علی بین الجهتین تفسیرًا له ثم فرع علیه جواز قیام المؤذن فی زاویة قائمة او حادة اومنفرجة وبیانه انه لایمکن جعل الخط الکتفی وتر زاویة قائمة اومنفرجة یقوم فیها ای بین ساقیها المؤذن لان مابین کتفی الانسان نحو زراع فان جعل وتر زویة غیر حادة کان مابینها وبین الکتفی شبرًا او اقل بحکم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اکثر من شبر ولذا تعبر اهل الهیئة والمساحة ثلثی ذراع بالقدم حیث یقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض کذا قدما ینحط الافق کذا دقیقة کماذکرنا ضابطته وتفاریعها	کافی ہے، جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطھما بالسکون سے ظاہر ہے۔اب جی چاہے وسطھما کا عطف قریبًا منہ پر مانو کہ لفظ وسطھما اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں یا بین الجہتین پر عطف تفسیری مانو، ہر طرح معنی درست ہے۔اسی عمود وسط کے آزاد بازو اور خطین متوازیین کے درمیان کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے درمیان مؤذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلثوں کا وترمانا جائے اوراس کے دونوں کناروں سے نکل کر جو دو۲ خط عمود وسط پر ملتے ہیں انہیں کہ نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جوزاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لمبا ہوگا۔اوراس کا نصف ایک بالشت ہوگا، توزاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔ جیساکہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں، اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ اہل مساحت

النفیسۃ المحتاجۃ الیھا فی علم الاوقات فی تحریرا تنا التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویۃ مقام المؤذن بالتفائھما ونسبیھا خطی المقام عن یمین الامام وشمالہ بل عن موضع مامن امتداد خطی الھاتین وذلك قولہ خارجین من ھاتین الجھتین[502]۔	اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔تو جب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں کل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہوا (جسکا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زایوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"
وھما کما تری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیۃ المحل وھی ھنا کما بینا بدلائل قاھرۃ ونصوص باھرۃ	دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ان کی تحدید تو محل ومقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جسے ہم دلائل قاہرہ ونصوص باہرہ سے ثابت کرآئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[502] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۷

کونہ خارج المسجد فی حدودہ وفنائہ فتعین ھو وتر الزاویۃ المقام بحکم فقہاء الکرام وسنۃ الشارع سید الانام علیہ واٰلہٖ افضل الصلٰوۃ والسلام فکان الشکل ھذا:	حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کا شکل اس طرح ہوگی:

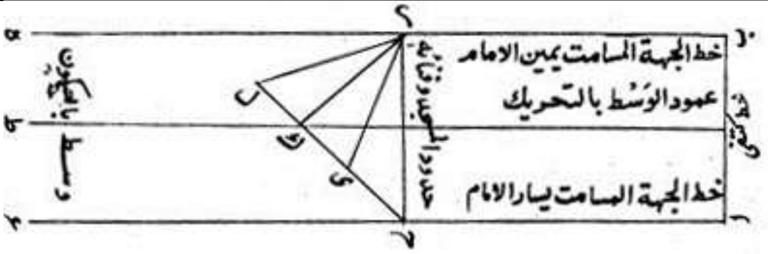

اب الخط الکتفی اء، ب ہ خطا الجہتین المسامتین ح ط العمود حر حد المسجد وفناؤہ۔ اخرج مرح ر خطا المقام ح ک رک فالتقیا علی العمود واحدثا قائمۃ ک اوخطا ح ی ر ی فاحدثا ی المنفرجۃ او خطا ح ل ر ل فاحدثا حادۃ ل ففی ایھا اذن المؤذن کان بین یدیہ والقیام فی ک غیر متعین علیہ۔	مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے اور اء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں اور ج ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت ھذا کمایشمل الزوایا یشمل ما اذاکان ظھر المؤذن الی وجہ الامام۔ قلنا نعم ھوداخل فی مفھوم بین یدیہ ولکن لیس کل مایشملہ مفھوم اللفظ یکون مرادًافان الاطلاق غیر العموم وقد دلت القرائن ھٰھنا ان المراد المواجھۃ بین الامام والموذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلۃ والمؤذن بین یدیہ وقد امران یستقبل القبلۃ فی الاذان فتعین ان یکون وجھہ الی وجہ الامام کما ان مفھوم بین یدیہ یشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لکن دلت الدلائل ان داخل المسجد غیر مقصود ولا البعید بحیث الا یعد اذانہ اذانًالھذا المسجد فتعین کونہ فی حدود المسجدوفنائہ مرادًا والاعتراض علیہ بشمول مفھوم اللفظ جھل بعید کشمولہ لمستدبر القبلۃ۔ **فان قلت** قرینۃ امر	**اگر یہ اعتراض** کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰث کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشیت امام کی طرف ہو۔ جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے،اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے، اور مؤذن کو اسکے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔تو متعین ہوگیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ داخل مسجد مراد نہیں،نہ مسجد سے اتنادور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جاسکے تو متعین ہوگیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔تو جیسے اس پر مفہوم یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے،اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔ یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ موذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لاتنفی ما اذا کان ظهر المؤذن لظهر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجهًا لکعبة وربما یترکون متسعا کبیرًا بین المنبر والقبلة کما هو مشاهد فی مکة المکرمة وذلك لان الجهتین السامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامهما۔	روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کو نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو، اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑدیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسی ہی ہے وہ دو طرف متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہوسکتی تھی۔
قلنا نعم هذا مشکل الاان یقل باخراجه بقرینه قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم هذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وهذا بیان حال الخطبة والاذان قبلهاو لذا مرضه بقوله الا اذا قیل[503] الخ۔ هذا شرح کلامه حسب مرامه۔ **اقول:** وفیه **اولًا** لا تفریع شمول الزوایا الثلث علیتسکین الوسط بل لو کان بتحریکه لشملها ایضًا کما علمت فی الخامسة۔	یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے، اور اس سب میں موذن بھی داخل ہے، اس لئے کہ اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوالکا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انہیں کے حسب منشا ہوئی مگر اس پر **پہلا شبہ** یہ ہے کہ زوایا ثلث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔ یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے

[503] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹

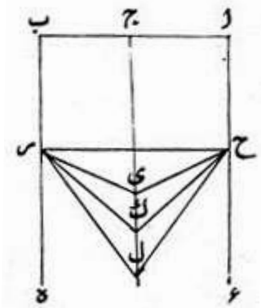

الاتری عند تساوی زاویتی ح ر تقع الکل علی العمود لما تقدم فی الخامسة مع ان ی منفرجة وك قاءمة ول ل حادة الاان یقال لیس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوایا الثلث کما تحدث علی العمود کذا خارجة فانما یشملها بالسکون۔	مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔زاویہ ی منفرجہ ہے اور ک قائمہ ہے اور ل حادہ ہے مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔افراد کا شمول بتانا ہے (یہ بتانا نہیں کہ تینوں زوایے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے۔
وثانیًا:الذی استشکله لیس بوارد اصلًافانك ان اردت المعنی الترکیب فالکل خارج وان اردت الاجمالی فهو للامام والقدام کما	**دوسرا شبہ** یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ" کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔تو

نصوا علیه وقدمناه ولا یقل سمت وجهك الا لجهة وجهك وان امکن مد الخط خلفًا وقدامًا ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهما الا الخط الممتد الی ھٰذہ الجهة فالصواب اسقاط ھذا الاشکال، و الاصواب ان یقول ووسطھما بالسکون فشمل ما اذا کانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب اومنحرفة عنهما الی احدی کیفیه ما لم یخرج عن الخطین کما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم یخرج عن الربع الذی الکعبة فی وسطه کما حققناه بتوفیق اللّٰه تعالٰی فی رسالتنا "ھدایة المتعال فی حد الاستقبال "ھذا مایتعلق بکلامه شرحًا وجرحًا۔	معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ توخطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کردیا جائے، اور وسطھما کے بجائے اوسطھام کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب "ھدایة امتعال فی حد الاستقبال "میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔
اما ھٰؤلاء فتعرض لھٰذہ العبارة منهم وھابیان ضالان واٰخران جاھلان وخامسًا من الطلبة۔	اب ہم آذانیان ہند کی تگ ودو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں دو وہابی، دو جاہل،

اما احد الضالین واضلهما فجعله دلیلاعلی انه لاحاجة ای المحاذاة عینا بین الخطیب المؤذن وجعله ردًا علی کلام اهل الحق من هذه الجهة وھٰذا جهل منه شدید فان المحاذاة سنة لاشك،وان اراد بها مسامتة جهتی الموذن والامام فلا محاذاة مقصرة علیه ولا کلام اهل الحق یومی الیه لکن الجهلة لا یفهمون۔والباقون استدلوابها علی ان هذا الاذان داخل المسجد لضیق المنبر فان الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبًامنه۔قد علمت رده مرارًاوفسرقوله الهتین لمسامتین الخ،بما بین جهتی الامام اما بیمینه اویساره۔اترٰی مثل ھٰؤلاء الجهلاء اهلا لمخاطبة۔وامان الذی یعد من الطلبة فزادفی الطنبور نغمة وفی الشطرنج	ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کی اہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ موذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے،اور علمائے اہلسنت کے اس دعوی کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے۔"موذن اور خطیب کا سامنا بلا شبہ سنت ہے۔"ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے،تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ہم "سامنے"کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔اور باقیوں نے اس عبات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبًا منه سے استدلال کیا ہے(کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے "کی تصریح کی ہے) لیکن اس سے کیا حاصل۔"قریب"کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔اوراسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دو جہتوں کے درمیان۔بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًامنه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه علیه فلیس هنا فی کلام القهستانی لفظة "عندالمنبر" اصلًاولا لفظة "ای"ولو کان لم یکن فیه مایقرعینه فلا القرب ینکرولا فی جوف المسجد یحصر کماتبین مرارًاواما الجاهلان فقتحما خوض بحراغرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقدعلمت رده ان المراد بالمنبر الام اومابین کتفیه یستحیل ان یراد وترا وقال الأخر فی تفسیر کلام القهستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویساره حتی یلتقیا علی زاویة قائمة اوحادة اومنفجرة فیقوم المؤذن فی ھٰذه الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبررسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑادیا۔آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا، حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔تو یہ طالب علم قہستانی پر افتراء کر رہے ہیں، وہ افتراء بھی بے مزہ، کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے، ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے، اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ بار بار واضح ہوچکا اور ان دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے) سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کر آئے ہیں علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محل ہے۔اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا، اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دو ہاتھ کی تھی، اور آدمی کا قدم

ذراعین وقدم الانسان شبروربع شبرٍ فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاویة حادة وکون الفصل ذراعین الا قلیلًاوفی القائمة اقل منه وفی المنفرجة اقل من الاقل والحادة وان امکن اخرجھا خارج باب المسجد لکن یسقط ھذا الاحتمال قید ان یوذن المؤذن قائما فی زاویة لان الباب ان بعدار بعین ذراعًاوالوترکما تقدم ذراعان فالزاویة الحادثة خارج الباب تکون ضیقة جدا لاتسع عودا دقیقا فضلا عن الانسان مع انا مقصود القھستانی ان تمکن الزوایا الثلاث ثمه ولا امکان ھناك لغیر الحادة اھ۔

ھذیانه المتعلق بالمبحث الھندسی وقد علمت انه جھل منه وسوء فھم۔

فاولًا: لم یخرج القھستانی خطی المقام عن کتفی الامام بل عن خطی الجھتین کمامرّ۔

سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے توزاویہ حادہ پیدا ہوگااور فاصلہ دوہاتھ سے ذرا کم ہوگا،اور قائمہ میں اسے کم،اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔اورزاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیاجاسکتاہے لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہوتو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جوزاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بیحد تنگ ہوگا،وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی،حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کاامکان ہی نہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوءِ فہمی کی پیداوار ہے۔

اولًا: قہستانی نے مقام مؤذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔ جیساکہ ہم واضح کرآئے۔

وثانیًا:لو اخرج من کتفیه استحال قیام المؤذن فی قائمة او منفرجة کما علمت۔	**ثانیًا**:اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام نا ممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔
وثالثًا:جری علی لسانه بعض الحق من حیث لا یدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام،ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔	**ثالثًا**:اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یا ہیں امام کے دائیں بائیں پلٹا تو اس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اوسکا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔
ورابعًا:تخصیصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الاقلیلًا والعلم ان نسبة الی ذرعین کنسبت ناحه نرماالط بد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذرعاع او اقل ثم لایجب ان یکون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلًا:	**رابعًا**: زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف ناحہ نرماالط بد کی نسبت کی طرح ہے۔اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے:

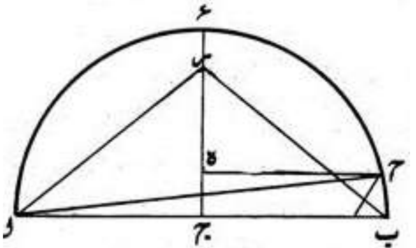

ادرنا علٰی ا ب القوس واقمنا علی نصفه ح عمود ح ء واخذنا ثمن ح ء فی الطرفین ح ہ ء ر ووصلنا ا ر ب ر فکانت ا ر ب منفرجة عمودها ح ر ورسمنا من ہ،ہ ح موازی ح ب ووصلنا ا ح ب ح فکانت ا ح ب قائمة نزلنا منها عمود ح ط فکان مساویا لح ہ بحکم لد من اولٰی الاصول وھو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجة سبعة امثال فصل القائمة ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کما لایخفٰی۔	خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور اب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا، اور ہم نے عمود کی دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء ر ممتاز کیا، اور ل ر ب ر کو ہم نے خطوط سے ملادیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا راس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ح ر ہے، پھر ح ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے ا ح ب ح کو بذریعہ خطوط ملادیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے راس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالۂ اولٰی کی ۳۴ویں شکل کی رو سے ح ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ح ر کا ۱/۷ فرض کرآئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہوسکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة او المنفرجة عند ملتقی خطیها تسع انسانا بخلاف الحادة الذی ذکر ولم یدران التقاء الخطین علٰی نقطة لاتتجزی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشیرمعشارها مالم یبلغ الجوهر الفرد۔	**خامسًا:** اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادۃ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو ۲ خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزی ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تانکہ وہ جوہر فرد نہ ہو جائے۔
وسادسًا: ر سم له قائمة ساقاها قدر شعیرة او نصفها مثل هذا **امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱** وقل له قم فی زاویة اب ج هذه بحیث تسعك ولایبقی شیئ منك خارجها فان قال لااستطیع فقد کذب نفسه لانه کانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر. وهذه اکبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم کلها متساویة فکیف لاتسعك اکبرت او تخلخلت ام تکاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحینئذ یصیر جهله	**سادسًا:** اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انہیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح **امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱** اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھایئے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے تو انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا، پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہو گئے یا آپ میں تخلخل ہو گیا، یا قائمہ ہی تنگ و

بمرأی عینیه فیعترف به اضطرارالتجربة علٰی نفسه ومشاهدته جهارًا ولاحول ولا قوة الاباللّٰه العلی العظیم۔	متکاثف ہوگیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہوگیا تب انہیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی، اور خود بذاتہ علٰی رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔
وسابعًا: وزعمه ان لامکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله الشدید مبنی علی زعمه الطرید۔ان الوتر عرض المنبر وقدعلمت مازهر الحق به فظهر و الحمدللّٰه العلی الاکبرولیکن هذا اٰخر الکلام وقد اتینا بحمداللّٰه تعالٰی علی جمیع ما ابدوامن الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شه به،وقد تکلف بالردعلی قضها وقضیضها رسائل اولادی و اصحابی فی هٰذه المسألة مثل "اذان من اللّٰه "و"وقایة اهل السنة"و"سلامةاللّٰه لاهل السنة"و"نفی العار"و "سیف القهار"و"تعبیرخواب"و"حق نما فیصله" و "اللطمات والاسواط"الٰی غیرذٰلك مماتافت عشرًا ولم تبق لاحدعزرًا والحمدللّٰه فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام اللّٰه بهم نفع الاسلام ان ینظروابعین الانصاف ویسمحوا برفع الخلاف ویظهروا الحق	**سابعًا:** اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور بڑی جہالت ہے جس کا مبنٰی منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔ویسے ان کی ہر چھوٹی بری کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللّٰہ ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللّٰہ لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار، تعبیر خواب، حق نماز فیصلہ واللطمات والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، اللّٰہ تعالٰی کے لئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہاء میں حمد ہے۔ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللّٰہ تعالٰی نے ہمیشہ نفع پہنچایا) امید ہے کہہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالٰی کیلئے حق کا اظہار کریں۔بزرگ وبرتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین اور ان کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔ والحمدالله رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علی سید المرسلین خاتم البنیین وٰاله الکریم وصحبه العظام وابنه الکرام وحزبه اجمعین عدد کل ذرة ذرة الف الف مرة فی کل اٰن وحین الٰی ابد الاٰبدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الهجرة القدسیة علی صاحبها الکریم واٰله الکرام اکرم الصلٰوة والتحیة اٰمین۔ والحمدلله رب العالمین سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العٰلمین۔ قال بفمه ورقمه بقلمه احد کلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفرالله له وحقق له امله واصلح عمله بجاه المصطفٰی واهله صلی الله تعالٰی و بارك وسلم علیه وعلیهم ابدًا اقدر حسنه وجماله وجوده ونواله وافضاله اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین۔	ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو۔ ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن وہر گھڑی ابدالآباد تک۔ ۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ (صاحب ہجرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ اور سلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن ہوا اللہ تعالٰی کیلئے حمد اور پاک پروردگار کے لیے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اور سلام ہے پیغمبروں پر، اور اسی کے لئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔ اپنی زبان سے کہا، اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالٰی اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اوراس کے اہل کو صلاح وفلاح دے حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے، اپنے حسن وجمال اور جودونوال اورانعامات وکرامات کے حساب سے۔ آمین !

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیه غنیة لاولی الالباب، ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجھھا النقاب وقد انطوٰی کتابنا، وللّٰه الحمد علی مایقضی علیھا بالتباب غیر ان زیادة خیر خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت والیه مأب۔ **نفحہ ۲۲:** متقاص فی اللداد والعناد وشیمة الحساد بقی صامتا الی ان تمت الردود علٰی	جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ ایک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ **نفحہ ۲۲:** خصومت وعناد اور خصلت وحساد میں انتہاء کو پہنچا ہوا، رد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے

كل مردود فنظر جميع ذٰلك وحاول ان يستخرج له مضرجا من كل تلك المهالك فوسوس اليه وسواسه ان يفزع الى عرف عوام يخترعه مخالفا للغة و الشرع واصطلاح الاصول جميعا ليردبه جميع ما سردنا من نصوص القرآن المجيد والحديث الحميد واقاويل ائمة التفسير وشروح الحديث وكبراء اللغة وعظماء الاصول في تحقيق معاني "بين يديه" و "عند"۔فزعم ان كل ذٰلك بمعزل عما هو فيه فان كلامنا في العرف العام وفيه بين يديه وعند كلاهما للقرب وليس فيه القرب الا لذٰلك الوجه لمخصوص الذي يوجب التصاق الاذان بالمنبر۔فتوهم بهٰذا النافذ قد خرج وشرد عن كل ماورد فان ما في القراٰن و الحديث والتفسير والشروح كل ذٰلك معنى شرعي و ما في كتب الاصول عرف خاص علمي والكلام في العرب العام ولم يدر ان هٰذه حيلة هدمت كل ما بنى وضربت على راس نفسها فقضت عليها بالفناء۔	اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا، تو اس کے شیطان نے یہ وسولہ ڈالا کہ لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔اور اسی ایک حربہ سے قرآن و حدیث واقاویل ائمۂ تفسیر وشروح حدیث اور ائمہ لغت و اصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور ند کی تحقیق میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی "قریب" کے ہیں۔اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عنداور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کو ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کوتا کپاس کردیا۔
فاوّلا استندت بقول الراغب فانما كتابه في لغة العرب	**اوّلاً:** آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

اوالمحاورات الکریمۃ القرآنیۃ وقدعزلتھما معا وقولہ یقال ویستعمل[504] لایخرجہ عن لغۃ العرب الی العرف الجدیدوان اخرج عندك فقد قال فی التاج" یقال بین یدیك لکل شیئ امامك[505]۔" وفی الرضی"وان عندیستعمل فی القریب والبعید[506]۔" **وثانیًا**:مافزعك الی الکشاف والمدارك اولیسامن التفاسیروانا ذکر اماذکر اشرحاللمحاورۃ القرآنیۃو ھی عندك بمعزل عن الاستنادوقولھما"حقیقۃ قولھم[507]"والضمیرفیہ للعرب والعرب لاتتکلم الا بلغتھاواللغۃ	تولغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے،اورآپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھرآپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتاہے۔اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا۔ اور اگرآپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، توتاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے،وہ بھی توکہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج)اور عند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتاہے(رضی)۔ **ثانیًا**:آپ نے انکشاف اورمدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں،ان دونوں نے جوکچھ کہاہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے،اورآپ قران عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پرہاتھ دھرتے ہیں۔زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقۃ قولھم" (ان کے قول کی حقیقت)تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں،اور عرب کی

[504] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ"عند"نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵۵۳

[505] تاج العروس فصل الباء من باب الواؤوالیاء تحت اللفظ"ید"داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۴۱۹

[506] الرضی فی شرح الکافیۃ الظروف منھالدی ولدن دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۲۳

[507] مدارك التنزیل(تفسیرالنسفی)تحت الآیۃ ۱/۴۹ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵،تفسیرالکشاف تحت الآیۃ ۱/۴۹دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/۴۱۹و۳۵۰

لاتثبت الا بکلامھافھما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الابحجة وبرھان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔

وثالثًا: کذٰلك القراٰن العظیم انما نزل بلسنان عربی مبین قال تعالٰی "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا"[508] وقال تعالٰی "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ"[509]۔ فمافیه الا کانوا یتحرونه فیما بینھم غیر ماثبت فیه النقل الشرعی فثبوت معی فی القراٰن ادل دلیل واجله علی محاورة العرب، اللھم الان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوته خرط القتادواوادعاؤہ جزافًا امر عظیم فی الفساد، قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحر فی البحر والشامی فی ردالمحتار: "الخطاب

بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں آگرچہ ہوگا تو معنی منقول، اور چونکہ نقل خالف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لانا پڑے گی، وہ کہاں سے لائیں گے؟

ثالثًا: یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا، اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا" اور "یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔" تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ ہاس بات کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں، اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری ہے۔ اور مسئلہ بین یدہ میں اس کا ثبوت محال، اور خالی دعوی لایعنی بڑ ہے۔ حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحر الرائق میں، اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا: "قرآن کا

[508] القرآن الکریم ۳/۴۳
[509] القرآن الکریم ۵۱/۲۳

انما باللغة العربية ما لم يثبت نقل كلفظ الصلوٰة ونحوه فيصير منقولاً شرعيًا[510] اھ"وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی الله تعالٰی فلابد لاثباتها من قاطع وليس ھٰهنا امارة ظنية فضلا عن القاطع فلا يليق بحال مسلم ان يجترأ علی الله بما لم يعلم[511]۔	خطاب لغت عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔" حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم رحمۃ الله علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: " نقل کا دعوی الله تعالٰی پر ایک دعوی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے الله تعالٰی پر یہ جرات کرے۔" (توآپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے،نہ لغت واصول میں ہے۔یہ تو عرف عوام ہے۔بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)
ورابعًا:کل کلام انما يحمل علی عرف التكلم كما نصوا عليه فی غير ما مقام وسيدنا ساءب بن يزيد رضی الله تعالٰی عنهما من اهل اللسان ولا يتكلم الا علٰی عرفهم ولم يكن له اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بين يديه" علی اذان كان	**رابعًا**: ہر کلام میں متکلم کے محاور اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت ساءب ابن یزید رضی الله تعالٰی عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہو گی۔انہوں نے " بین یدیہ "کالفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا،اور اسی معنی پر ہم نے

[510] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۷

[511] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی ان الحقیقۃ الشرعیہ لاتحتاج الی قرینہ ۱/۲۲۳

على باب المسجد وكذٰلك بينا فى "عند" عدة محاورات عامة لاينكرها الامكابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بما يزعمونه جهل بالعرف اوفرية عليه۔	لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعوٰی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔
وخامسًا: ياللعجب زعم ذاك امدعى فى ردكلمات ائمة الاصول المتواتره المتظافرة على ان عند للحضرة بقوله ان كل ذٰلك لغو لايجدى شيئًا انما النظر الى الحقيقة العرفية وكل سمع باسم اصول الفقه يعلم ان مايذكر فيه اصول للفقه وليس مصطلح الفقه مخالفًا لما ذكر من معانى الالفاظ فى الاصول وانما البحث ههنا عن لفظ "عند" الواقع فى كلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جديدا للعامة مخالفا لعرف الفقه والاصول لم يكن فيه ما يقرعينك فان كلام الفقهاء انما يحمل على عرف الفقهاء انما دون العوام ولكن التعصب اذا تملك اهلك۔	**خامسًا:** علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے، اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنٰی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔ مسئلہ اذان ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔ توظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنٰی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو اور اس نے کوئی اور معنٰی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے یہاں یہ لفظ انہیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔ دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کسی ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے

	یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلامِ فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔
سادسًا: ماذا یقول المعاند فی قول العلامة خیرالدین الرملی رحمه الله تعالٰی فی فتاواہ "فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انه لایشتی عند زوجته فی البلد فشتی فی جامعها لایقع علیها الطلاق لان الشرط کون التشتیة فی البلد عندها ولم یوجد وعند للحضرة الا ان ینوی ذٰلك واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم [512] اھ" بالالتقاط فهٰذہ مسئلة الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقدافصح فیه ان عند للحضرة فظهر ان ما ذکر ائمة الاصول هو العرف، وبالجملة فالحق ان لا خلف هٰهنا بین اللغة ولسان الشرع والاصول و الفقه والعرف کل ذٰلك متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس هنانقل ولا اشتراك و لا تجوزبل معنی مطلق منتخب علٰی مصادیقه یتعین	**سادسًا:** آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد یں جاڑا گزارا، تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی، اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے بان ہذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی نا عرف پر ہے۔ اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں۔ اور زبان شرع اور اصول و فقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عند کے معنی

[512] فتاوٰی خیریة کتاب الطلاق دار المعرفة بیروت ۱/ ۳۸و۳۹

بعضہا فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناہ وللہ الحمد۔ **وسابعًا:** لئن تنزلنا عن ھذا کلہ فالذی لجاء الیہ الحلیۃ امران الاول بین یدیہ وعند للقرب وقد استندلہ بالراغب وغیرہ وقدمنا انہ غیر مستنکر و لایفیدہ ولایضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وھذا ھو الذی فیہ مرامہ ولم یستندفیہ بشیئ سوی شقسقۃ اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبہ فلم یرجع سعیہ الی طائل۔ **وثامنًا:** تنزلنا عن ھذا ایضا فرضنا ان ثمہ عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانہ الکلام ھٰھنا فی عرف الفقہاء الکرام فھل عندك دلیل انھم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامھم	میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔ **سابعًا:** اگران سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اور اسے ہمار نقصان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ہم نے ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ۔ **ثامنًا:** اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاء کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنٰی

ناطق ببطلان ماتحکم ولنسردعلیك شیئامنه فستهدی الی الحق ان ارادالله والافیستهدی غیرك ممن هدی الله۔	میں بولتے ہیں۔آپ کے اس دعوی کے بطلان پر بہت سے دلیلیں ہیں ان یں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی۔
فاقول: وبالله التوفیق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حدلا یتجاوزه مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الی ماهو بعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعدالعرش بحیث لایقدربعده الاخالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما کون للشیئ بالنظر الی اٰخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الی شیئ ثالث وله وجوه کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔منها"قرب التناول"ان	**فاقول:** وبالله التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے، تو جب دونوں حدوں کاذکر کردیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے، اوراس سے متجاوز نہ ہوگا ورنہ جب تک کل عالم ختم نہ ہوجائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہوسکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے، تو یہ قریب ہوجائے گی، جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے، اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کرسکتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔ لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے، اوراس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ان سے ایک قرب تناول ہے۔اس کا مطلب

یکون الشیئ منك بحیث تصل یدك الیه کقوله تعالٰی "فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍۙ(۲۶) فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ٘(۲۷)"[513]۔" ومنها"قرب السمع ان یبلغه صوتك۔ومنها قرب السیر"ان لایلحقك کبیر حرج فی الوصول الی۔فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح کلامك وحصل مرامك لکنهم براء عنه قطعًا اکبر کلماتهم تراهم یطلقون القرب و یعنون به احدالوجوه الثلثة الاخیرة حتی تافت عباراتهم فی تفسیر القرب المطلق عشرًافیما یحضر فی الاٰن ولعل مالم اتذکرنحوها او اکثر۔ وبیان ذالك فی مسائل۔	یہ ہوتا ہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔ جیسے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اور ایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔ "اور ان سے ہے "قرب سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے اور ان سے ہے "قرب سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔ تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا تو آپ کا کلام درست ہوا اور آپ کا مقصد حاصل ہوتا، لیکن "حضرت اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے ہی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی) جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے:
المسألة الاولٰی: اطبقوا ان الماء ان کان قریبًا لم یجز التیمم للمسافروان کان بعیدًا جاز واختلفوا ان ای ماء یسمّٰی قریبا بالاتفاق علی ان المراد قرب	**مسئلہ ۱:** سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہوت و مسافر کر تیمّم جائز نہیں، اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب وبعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

[513] القرآن الکریم ۲۷-۲۶/۵۱

السیر والاجماع علی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایۃ المنصوص علیہ کون الماء معدوما وھٰھنا معدوم حقیقۃ لکن نعلم بیقین ان عدمہ مع القدرۃ علیہ بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقد عدم الماء من بیتہ فعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج اھ[514] وفی البنایۃ لیس لہ ان یتیمم اذا کان الماء قریبًا منہ[515] اھ وفیھا(م)"المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعد الماء وجہ کونہ مختارًا ان المسافۃ القریبۃ جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوز لہ فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء، وعند محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرطہ ان یکون بینہ وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لوذھب الیہ وتوضأتذھب	آسان ہو، مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمّم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہو جائے۔ تو یہ جواز تیمّم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمّم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمّم کی اجازت نہیں۔" اسی میں ہے "مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے" یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمّم کو مانع ہے اور بعد سے تیمّم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلّف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

[514] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[515] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الطہارۃ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة وتغیب عن بصره ویجوز التیمم وهذا احسن جدًا، وقیل اذا کان نائیًا عن بصره واختلفوا فی النائی قیل قطع میل، وعن محمد قطع میلین وقیل فرسخ وقیل جواز قصر الصلٰوة، وقیل عدم سماع الاذان، وقیل عدم سماع اصوات الناس، وقیل لو نودی من اقصی المصر لایسمع، وفی البدائع ان ذهب الیه لاینقطع عنه جلبة البعیر ویحس اصواتهم واصواب وراء فهو قریب، وقیل ان کان بحیث یسمع اصوات اهل الماء فهو قریب۔ قال قاضی خاں واکثر المشائخ علیه وکذا ذکره الکرخی واقرب الاقوال اعتبار المیل، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلایجوز تقییده بالرای قلت المسافة القریبة غیر مانعة بالاجماع والبعیدة غیر مانعة

آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو تیمّم جائز ہوگا اور یہ بہت عمدہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔ دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا، تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماقصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے اور کہا گیا کہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔ بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور وغوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔" ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخان نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کا اعتبار ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے، اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا، تو میں کہوں گا کہ قریب کا مانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بینهما المیل[516] اھ۔

المسألة الثانیة: فی التنویر لوکانت البئراوالحوض او النهر فی ملك رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذاکان یجد ماء بقربه[517] (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیرہ بالمیل کما فی التیمم[518] اھ، و رأیتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلًا ولافی طلب الماء کذٰلك المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا ارسلوه ولم یقدروه۔

المسألة الثالثة: فی شهادات الدر المختار یجب اداؤها بالطب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیرہ منها عدالة

ہے اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ۔

مسئلہ ۲: تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کیوں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔ "علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمّم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہئیے۔ "میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا، تو ہر ضرورت مند اپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔

مسئلہ ۳: در مختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

516 البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃالمکرمۃ ۱/ ۲۹۹

517 الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۷

518 ردالمحتار کتاب احیاء الموات فصل الشرب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸۳

القاضی وقرب مکانہ[519] اھ.قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدا بحیث لا یمکنہ ان یغدوا الی القاضی لاداء الشھادۃ و یرجع الی اھلہ فی یومہ ذلك قالوا لا یاثم لانہ یلحقہ الضرر بذلك و قال اللہ تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شھید[520] اھ	ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کہ دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا،اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے۔(قرب تناول مراد نہیں ہے۔)
المسألۃ الرابعۃ: فی الذخیرۃ ثم العالمگیریۃ اذا کان المدعی علیہ خارج المصر انہ علی وجھین الاول ان یکون قریبًا من المصر فیعدیہ بمجرد الدعوی وان کان بعیدا لایعدیہ والفاصل بین القریب والبعید انہ اذا کان بحیث لو ابتکر من اھلہ امکنہ ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمہ ویبیت فی منزلہ فھٰذا قریب وان کان یحتاج الٰی ان یبیت	**مسئلہ ۴:** ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں،اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوی کی بناپر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا،قریب و بعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں کو آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ذخیرہ میں یونہی

[519] الدر المختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[520] ردالمحتار کتاب الشھادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

فی الطریق فھٰذا بعید[521]۔کذا فی الذخیرۃ ملتقطًا۔	ہے(التقاط)
المسألۃ الخامسۃ: قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الخراج:ثم حمل الاموال(ای الضحاك بن عبدالرحمن الاشعری)علی قدر قربھا وبعدھا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارًا،وعلی کل الف اصل مما بعد دینارًا(ومثلہ ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون)وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذلك وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذلك وحملت الموصل علی مثل ذٰلك[522] (فھٰذہ کلھا قرب السیر)	**مسئلہ ۵:** ہمارے امام ثانی امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قرب وبعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب وبعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کم تر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔
المسألۃ السادسۃ: فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیۃ ان کان فی کرم أوضیعۃ یکتفی باذان	**مسئلہ ۶:** مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے، تو اس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

[521] الفتاوی الھندیۃ کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵ و۳۳۶

[522] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفۃ بیروت ص ۴۱

القریة اوالبلدة ان کان قریبا والافلا، وحدالقریب ان یبلغ الاذان الیه منها[523]۔

المسألة السابعة: قال المحقق فی الفتح یحرم فی الخطبة الکلام و ان کان امرًا بمعروف اوتسبیحًا او الاکل والشرب والکتابة (الی ان قال) هذا کله اذا کان قریبًا بحث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لایسمع اختلف المتأخرون فیه فمحمد بن مسلمة اختار السکوت ونصیر بن یحیی اختار القراءة[524] الخ۔

المسألة الثامنة: فی الهندیة من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذٰلك اتبع الامام الا اذا کبر الامام تکبیرًا لم یکبره احد من الفقهاء[525] اھ (ثم نقل عن البدائع) لکن هذا اذا کان بقرب الامام

ہے بشرطیکہ قریب ہو ورنہ کافی نہ ہوگی اور قریب ہونے کی حد یہ ہے کہ وہاں سے اذان کی آواز اس تک پہنچ سکتی ہو۔

مسئلہ ۷: محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیاہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قراء ت پسند کرتے ہیں۔

مسئلہ ۸: عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا" یہ اس وقت ہے جب

---

[523] الفتاوٰی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب الثانی فی الاذان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[524] فتح القدیر کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۸، ۳۷

[525] الفتاوی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

یسمع الکبیرات منه فاما اذاکان یبعد منه یسمع من المکبرین یاتی بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم لجوازان الغلط من المکبرین فلو ترك شیئًا منها ربما کان المتروك ما اتی به الامام[526]۔	مقتدی امام کے قریب ہو کہ خود اس کے آواز سن رہا ہو، اور اتنی دور ہو کہ خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبّروں سے سن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبّروں کی طرف سے بھی ہے، و کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔"
المسألة التاسعة: فی جمعة البحرالرائق ذکر فی المضمر اتقال الشیخ الاجل الامام حسام الدین تجب علٰی اهل المواضع القریبة الی البلدالتی هی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت[527]۔	**مسئلہ ۹:** بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں۔"
المسألة العاشرة: فی تنویر الابصار لانقتل من امنه حرًا اوحرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذٰلك من المسلین فلاامان لوکان بالبعد منهم[528]۔	**مسئلہ ۱۰:** تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انہوں نے خود سنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

[526] الفتاوی الهندیة کتاب الصلوٰة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

[527] بحر الرائق کتاب الصلوٰة باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱

[528] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۱

المسألة الحادیة عشرة :وفی شرح الدرروفی الدر المختار اذا احیٰی مسلم اوذمی ارضًاغیر منتفع بھا و لیست بمملوکۃ لمسلم ولا ذمی وھی بعیدۃ من القریۃ اذا صاح من باقطی العامر (وھو جھوری الصوت، بزازیۃ)لایسمع بھا صوتہ ملکھا[529] الخ۔و فی الکفایۃ من الذخیرۃ الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی یقوم رجل جھوری الصورت من اقطی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلٰی صوتہ فای لموضع الذی لایسمع فیہ یکون بعیدًا[530]۔	**مسئلہ ۱۱:** شرح درراور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو،نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو،بزازیہ تو آواز سننے میں نہ آئے،تو آباد کرنے والااس زمین کا مالک ہوگا۔"اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے:"قریب وبعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر پوری طاقت سے پکارے اور آواز وہاں نہ پہنچے تو وہ بعید ہے۔"
المسألة الثانیة عشرة:وفی الدرالمختار لوجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامۃ و الدیۃ علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیدا عن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منھا فعلی اقرب المحلات الیہ[531] (قال الشامی قولہ قریبا منھا)الظاھر ان	**مسئلہ ۱۲:** درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قید خانہ مُں اور مسجد جامع میں پایا گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے ابلتہ اگس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔اور اگر قریب ہوں تو جو محلّہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے۔" امام شافعی نے فرمایا کہ "ظاہر

[529] الدرالمختار کتاب احیاء الموت مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵
[530] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب احیاء الموت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۲
[531] الدرالمختار کتاب الدیات باب القسامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۲

المعتبر فیہ سماع الصوت[532]۔ **المسألۃ الثالثۃ عشرۃ**: فی الھدایۃ وان وجد فی بریۃ لیس بقربھا ومارۃ فھو ھدر وتفسیر القرب ماذکرنا من استماع الصوت[533]۔ فھٰذہ کلھا قرب السمع۔ **المسألۃ الرابعۃ عشرۃ**: ماقدمنا عـــہ	یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔" **مسئلہ ۱۳**: ہدایہ میں ہے: اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سنی جا رہی ہو۔" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔ **مسئلہ ۱۴**: نفحہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عـــہ: وفی الھندیۃ من الفتاوی الکبرٰی وھی المسئلۃ الخامسۃ عشرۃ جری بینہ وبین امرأتہ تشاجر من قبل اختہ فقال لھا ان سبت اختی بین یدی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج علیھا وھی تشاجر مع اختہ وتسبھا فسمع الزوج ان سبتھا وھی تراہ طلقت لانھا سبتھا بین یدیہ[534] کذا فی الفتاوی الکبرٰی۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے، اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا اور انحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی اور اسے گالیاں دے رہی تھی جنہیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہو گئی کیونکہ اس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[532] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۰۷

[533] الھدایۃ کتاب الدیات باب القسامۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۳۸

[534] الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۳

فی النفحۃ الثانیۃ العودیۃ عن الجوھرۃ النیرۃ ھذا اذا کان الحافظ قریبًا منہ ای بحیث یراہ اما اذا بعد بحیث لایراہ فلیس بحافظ[535]۔ فھذا قرب البصر ھذہ مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقھاء الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم لابدمن قرب التناول والافما المعین لہ والحامل علیہ نسأل اللہ اراءۃ الحق والھدایۃ الیہ اٰمین۔ **وتاسعًا** قداعترف الرجل ان فی العرف لعندفی کل محل حد علیحدۃ للقرب بقرینۃ القیام فکان علیہ ان یثبت بالدلیل ان قضیۃ مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی، لکنہ ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولو کفت الدعوی للثبوت لقام بالبرھان کل مبھوت، فمالك تقر ولا تقر وتمیل الی الحق ثم تفر۔ **وعاشرًا**: وقال اللہ	کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو وہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قرب بصر کی مثال ہے اور فقہاء کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہ رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا مؤذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول امر و ہوگا، ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔ **تاسعًا**: یہ شخص اعتراف کرچکا ہے کہ عندہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئیے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے لیکن اس نے ایک دعوی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کا کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوی کافی ہوتا تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔ **عاشرًا**: اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

[535] الجوھرۃ النیرۃ کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزوجل "وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ" [536] ولكل شيئ قسطاس وقسطاس الكلام له كفتان، الشرع والعقل، فمن رزق حظًا منهما لايحمله الا على مايوفقهما، اما الجاهل فلابيده ميزان ولا هو يعرف الاوزان فاذا امره م يفترض عليه طاعته ان قم فصل ركعتين فلاتتأخر لمحة، فلعله يقول امر نى بالصلٰوة بغير وضوء اذل وذهبت اسكب الماء ثم توضأت ثم الى محل الصلٰوة رجعت لفات الفوروقدنبأنى ان لاا تأخر لحظة۔

ولوحلف زيد والله لايسكن هذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ينقل المتاع ولم يقصر ومكث فى هذا يومًامثلًا، يظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ينقل يومًالكن العالم يعلم ان قدرالوضوء مستثنٰى فى الاول شرعا وقدرما تيسرله فيه النقل مستثنٰى فى الثانى عقلافلاينتفى بهما الفور، فى الخانية ثم الهندية رجل حلف لايسكن هٰذه الدار

"درست میزان سے تولو۔" اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتا ہے۔ تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہوجائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعًا مستثنٰی ہے، اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلًا مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: "جس شخص نے

---

[536] القرآن الکریم ۱۷/۳۵

فخرج بنفسه واشتغل بطلب دار اخری لینقل الیها الاهل والمتاع فلم یجد دارًا اخری ایامًا ویمکنه ان یضع المتع خارج الدار لایکون حانثا، وکذالو خرج واشتغل بطلب دابة لینقل علیها المتاع فلم یجد اوکانت الیمین فی جوف اللیل ولم یمکنه الخروج حتی الصبح اوکانت الامتعة کثیرة فخرج وهو ینقل الامتعة بنفسه ویمکنه ان یستکری الدواب فلم یستکر لایحنث فی جمیع ذلك، هذا اذا نقل الامتعة بنفسه کما ینقل الناس فان نقل لاکما ینقل الناس یکون حانثا[537] اھ

وکذلك اذ جلس عالم یفید ویلقی الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفا حتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته هیبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل یستمع من بعد

قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا، تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا، اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا۔ اہل وعیال اور اسباب اسی گھر میں رہے۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا، تب بھی حانث نہیں ہوگا، یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لاد کرلے جائے، یا قسم رات میں کھائی، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔ یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھا کر منتقل کرنے لگا اس میں تاخیر ہوئی وہ سواری کرسکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو، معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویسا ہی اٹھایا، ورنہ حانث ہوگا۔"

ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے، کوئی طالب علم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا، تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا،

[537] الفتاوی الہندیۃ کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۵

فامرہ العالم ان یقترب اوامر السلطان بعض حواشیہ بالقرب،فالجاھل یقول القرب مطلق و المراد بہ فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابھم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجرہ ویطأفراش الملك ویطلع سریرہ الٰی ان یلزق جنبہ بجنبہ فیستحق التعذیر فی الدنیا والتعذیب فی الاٰخرۃ،والعیاذباللہ تعالٰی،والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًاوعرفًا فالسائل لینتھی عندالباب دون مجلس العالم و الحاشیۃ یتقدم الٰی منتھٰی منصبہ والبواب الی الباب، والوزیر الٰی قرب السریر ثم یقف ویعلم ان الجاھل المستند بالعرف ھوالذی اخطأ العرف فان لمفھوم بالقرب المطلق ھو القدر القدر السائغ دون تحدی الحد۔	یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جا بیٹھے گا، اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا اور بادشاہ کی تعذیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعاً اور عرفاً گنجائش ہے، تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا، اور پتا چل جائے گا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے کہ مطلقاً قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو، نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔
وبالجملۃ الطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًاان الشیئ یذکر مرسلا ولایراد الاعلٰی ماعرف منشروطہ وقیودہ وادابہ ومن یقطع النظر عن کال ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابہ قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین	خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے اور عقل وشرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط وقیود وآداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذاعرف شروطه وذکر مطلقًاینصرف الیھا کقول اللہ تعالٰی اقم الصلٰوۃای بشروطھا[538] اھ۔ واذاعرفت ھذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقھاء اذا اطلقوا القرب ارادوبه اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیه الا مایسخن عین السفیه فانه لایرادالا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔وقد عرف من الشریعة المطھرۃ کراھة الاذان فی المسجد فمنتھی قرب المؤذن علٰی حدودالمسجد ثم فی الحد ایضا استماع و اقرب مواضعه من المنبر ماکان علٰی محاذاته لانا اذا خرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاھب علی استقامة سمته وترالحادۃ وسائرھن اوتار القائمة فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائه کان قریبًامنه بحیث لااقرب فوقه فکان ھذا معنی قولھم عندالمنبروھو	"کہ کسی شے کے شرائط معروف ہوں اوراسے مطلق بولا جائے توانہیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تواس کا مطلب یہ ہے کہ نماز "کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔" جب صورت حال یہ ہے تومان لوکہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئیے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو،اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے،ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی،اوراس حد میں بھی سماعت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہواس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں توجو خط سیدھااس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔تو مؤذن اگرادھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تومنبر سے دور ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبًامنہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جوانتہائی

[538] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی مایسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین واکمل سلام المسلمین والحمدللہ رب العالمین۔	گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل وجمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درودوسلام ہو۔آخری دعایہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا